

”مذہبی دائرہ تفقہ“، مذاہب اربعہ کے بیشتر مفتیان کا المیہ

اسباب نزول

الکافی فی فقہ اہل المدینۃ الماکی فقہ مالکی کی کتاب ہے۔

کرب والہم سے سسکتی انسانیت کا مداوا اسلام

قبر کو بوسہ دینے سے متعلق دو روایتوں کا تحقیقی جائزہ



# عاشوراء کے روزے کی فضیلت

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:  
ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، فَهَذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ،  
صِيَامُ يَوْمٍ عَرَفَةٍ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ،  
وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمٍ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ.  
(صحیح مسلم: ۱۱۶۳)

ہر ماہ میں تین روزے اور  
رمضان کے روزے یہ پورے سال کا روزہ ہے،  
اور عرفہ کے روزے کے بارے میں،  
میں اللہ سے پر امید ہوں

کہ وہ گزشتہ ایک سال اور  
آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔  
اور  
عاشوراء کے روزے کے بارے میں  
مجھے اللہ سے امید ہے کہ  
وہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔





AHL US SUNNAH Volume No.7, Issue No.82, September 2018

جلد: ۷

فی شماره - 30/- Rs.

شماره: ۸۲

سالانه - 300/- Rs.

سپتمبر ۲۰۱۸ء

ماہنامہ

# اهل السنة ممبئی

مدیر اعلیٰ: رضاء اللہ عبد الکریم مدنی

مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی | معاونین: ابوالبیان رفعت سلفی، حافظ اکبر علی سلفی

نائب مدیر: کفایت اللہ سنابلی | فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی

گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبد الرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی

• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر:

022-26500400 / 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,  
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph.:022-26500400  
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal  
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,  
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# الاهل السنة

- |    |                                   |  |                                   |
|----|-----------------------------------|--|-----------------------------------|
| 05 | کفایت اللہ سنابلی                 | ”مذہبی دائرہ تفقہ“، مذاہب اربعہ کے بیشتر مفتیان کا المیہ | اداریہ                            |
| 07 | شیخ مقصود الحسن فیضی              | بازار جانے کے آداب                                       | درس حدیث                          |
| 09 | اشفاق احمد صی اللہ سنابلی         | اللہ رب العالمین عرش پر مستوی ہے۔                        | عقیدہ و منہج                      |
| 13 | حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی | سب سے بڑی دولت   | ایمانیات                          |
| 16 | اکبر شمس مدنی                     | اسباب نزول   | علوم قرآن                         |
| 27 | ابوالحیوب سید انور شاہ راشدی      | عنعنہ کی حقیقت   | اصول حدیث                         |
| 29 | کفایت اللہ سنابلی                 | الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی فقہ مالکی کی کتاب ہے۔  | ایک مغالطہ کی نقاب کشائی          |
| 34 | ڈاکٹر خورشید اشرف اقبال           | کرب و الم سے سستی انسانیت کا مداوا اسلام                 | انسانیت، اسلام اور ہماری ذمہ داری |
| 38 | ابوالبلیان رفعت سلفی              | مسلمانوں کے ناخوشگوار باہمی تعلقات۔ اسباب و علاج         | اصلاح معاشرہ                      |
| 44 | رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی         | نوجوانوں کا مقام اسلام کی نظر میں                        | اسلام اور نوجوان                  |
| 48 | حافظ اکبر علی اختر علی سلفی       | قبر کو بوسہ دینے سے متعلق دو روایتوں کا تحقیقی جائزہ     | قبر کو بوسہ ....                  |

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں





## ”مذہبی دائرہ تفقہ“، مذاہب اربعہ کے بیشتر مفتیان کا المیہ

کفایت اللہ سنابلی

استدلال ہوتے ہیں اور دوسری طرف بیشتر مقامات پر ایک طرف باتیں ہوتی ہیں اور بہت سی جگہوں پر فریق مخالف کے صرف انہیں دلائل کا تذکرہ ہوتا ہے جن کا جواب دینا ممکن ہوتا ہے اور جن دلائل کا جواب نہیں بن پاتا ان کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ یہ محدود فقہی مواد مذکورہ نقص کے ساتھ اپنے اندر کتاب وسنت کے دلائل بھی لئے ہوتا ہے اور مخالف کی تردید بھی کر چکا ہوتا ہے، اس لئے اس مواد کا مطالعہ ایک مذہبی مجتہد کے لئے کافی حد تک اطمینان بخش ثابت ہوتا ہے، پھر وہ مجتہد عموماً اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے ایک موقف اپنالیتا ہے۔ یہ تقلید نہیں کر رہا ہے بلکہ اجتہاد ہی کر رہا ہے لیکن اس کا اجتہاد فکر و نظر کے ایک محدود دائرہ میں ہوتا ہے۔

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ، ان مذہبی مفتیان میں سب کے سب بدنیت یا متعصب اور مقلد ہوتے ہیں، معاذ اللہ! یقیناً ان میں بزرگ، علامہ اور مجتہد بھی ہیں، لیکن ان کے فقہ و اجتہاد اور استدلال واستنباط کا سسٹم و نظام کچھ ایسا ہے کہ غیر شعوری طور پر ایک مخصوص حلقہ کی نمائندگی سے یہ مشکل ہی بچ پاتے ہیں۔ بطور مثال رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی مثال لے لیں، شوافع وغیرہ میں ایک سے ایک بزرگ، مخلص، مجتہد علامہ اور امام پیدا ہوئے لیکن ان کے دائرہ تفقہ میں اس فتویٰ کی گنجائش نہ تھی اس لئے ان کی حلقے میں کسی نے بھی یہ فتویٰ نہیں دیا خواہ وہ کتنا ہی بڑا مخلص، عالم اور مجتہد کیوں نہ ہو۔ لیکن دوسری طرف حنابلہ کو دیکھیں، امام احمد رحمہ اللہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ رکوع کے بعد بھی ہاتھ

اہل حدیث ایک مستقل مکتب فکر ہے جس کی دعوت کا خلاصہ اتباع الدلیل بفہم السلف ہے، ان کا کوئی محدود دائرہ تفقہ نہیں ہے اور نہ ہی بحث و تحقیق اور اجتہاد واستنباط کے لئے ان کے پاس پہلے سے تیار شدہ کوئی مخصوص کورس اور محدود مواد ہے، بلکہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار سلف اور بلا تفریق تمام ائمہ و مجتہدین کی آراء ان کا مرجع ہیں، اس لئے دیگر مکاتب فکر کے لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ مذہب اہل الحدیث اکمل ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کے مراجع تفقہ اور مصادر اجتہاد سب سے زیادہ وسیع ہوں اور ساتھ میں کسی شخصیت کے ساتھ تعصب کے بغیر صرف اتباع رسول کا جذبہ ہو، ان کے فقہ و فتاویٰ کی بات ہی الگ ہوگی۔

اس کے مقابل میں چار مشہور مکاتب فکر، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں، عقائد میں تو ان سب کی اکثریت اہل حدیث ہی کے منہج پر ہے لیکن دیگر مسائل و احکام میں ان سب کے ساتھ مشترکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا ایک محدود ”مذہبی دائرہ تفقہ“ ہے اور بحث و تحقیق کے لئے پہلے سے تیار شدہ ایک مخصوص کورس اور مواد ہے۔

اس کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ ان چاروں گروہ کے اہل علم و مجتہدین، فقہ و استنباط میں ایک محدودیت کے شکار ہو جاتے ہیں اور علم و منزلت کی بلند چوٹیوں پر پہنچ کر بھی فقہ و استنباط کے لئے سب سے پہلے اپنی محدود وادی فقہ ہی کی سیر کرتے ہیں، جہاں ایک طرف ہر گروہ کے الگ الگ اصول فقہ اور جدا جدا طریقہ

میں دلائل کی کثرت ہوتی ہے، لیکن دلائل کی کثرت و وسعت کے باوجود بھی چونکہ ان کے مصادر اجتہاد، مراجع فقہ اور اصول فقہ دیگر مذاہب کی طرح محدود و ہی ہوتے ہیں اس لئے مذکورہ نقص ان کے اندر بھی ہوتا ہے لیکن ان کے دلائل کی فراوانی سے مرعوب ہو کر بعض اہل حدیث حضرات اس نقص پر متنبہ نہیں ہو پاتے۔

مثال کے طور پر فطرہ کے مسئلہ کو لیجئے ایک حنبلی شیخ فتویٰ دینے کے بعد فرماتے ہیں: ”ہذا ہوا لمدھب“ یعنی ہماری فقہ حنبلی کا یہی فتویٰ ہے۔ اور بڑی خوبصورتی سے اپنے مذہبی فتویٰ پر اطمینان ظاہر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، اور بعض بھولے بھالے اہل حدیث سمجھتے ہیں کہ یہ ایک اہل حدیث مجتہد کا فتویٰ ہے۔ بلکہ ایک صاحب نے حنبلی مفتیان کی ایک لمبی سی لسٹ تیار کر کے یہ تاثر دینا چاہا کہ یہ اہل حدیث مفتیان ہیں سبحان اللہ! اگر ایک مذہبی گروہ کے مفتیان کا فتویٰ ہی یکجا کرنا ہے تو بتلائے کہ فقہ حنفی سے زیادہ مفتیان کسی اور گروہ میں مل سکتے ہیں؟ اہل حدیث کے وہ افراد جو غیر شعوری طور پر کسی ”مذہبی دائرہ فقہ“ کے شکار ہیں انہیں اس مرض سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نقد کو ناجائز نہ کہا جائے، اگر کسی کا اجتہاد اسی نتیجے پر پہنچا ہو تو بے شک اسے اس کے اظہار کا حق ہے لیکن محض ایک مخصوص ”مذہبی دائرہ فقہ“ سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر ایک گروہ کی وکالت کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ہم ہر مانع نقد کو اس مرض سے متہم نہیں کرتے یقیناً ان میں بعض اہل علم اس سے مستثنیٰ ہیں، خواہ وہ اہل حدیث ہوں یا مذہبی گروہ سے ہوں، لیکن بد قسمتی سے آج منکرین نقد کی اکثریت اسی مرض میں لت پت ہے، ٹھیک اسی طرح احناف میں قائلین نقد کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد اسی مرض کا شکار ہے، لیکن جس طرح مانعین نقد میں بعض اہل علم اس سے مستثنیٰ ہیں، ٹھیک اسی طرح قائلین نقد میں ایسے افراد ہیں جو کسی مذہبی حلقے سے متاثر ہوئے بغیر بھی یہ رائے رکھتے ہیں، بلکہ جواز کا قول اس وقت بھی موجود تھا جب مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی۔

باندھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ محض ان کی رائے تھی، سنیت کا دعویٰ انہوں نے بھی نہیں کیا تھا، لیکن بعد کے مدوین مذہب نے اپنے دائرہ فقہ میں اسے جگہ دی اور اس کے لئے دوران کار تاویلات کا سہارا لیکر اس پر سنت تک کا لیبل لگا دیا، پھر اس مذہبی دائرہ فقہ نے ایسا گل کھلایا کہ ایک سے ایک علامہ، مجتہد اور امام پیدا ہوئے لیکن سب کے سب اس گروہی فتویٰ ہی کو دہراتے جا رہے ہیں۔ ذرا اٹھ کر غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک گروہ کے سارے مجتہدین متفق اللسان ہو کر رکوع کے بعد ”ارسال“ ہی کا فتویٰ دیتے نظر آتے ہیں، جبکہ دوسرے گروہ کے سارے مجتہدین بیک زبان ہو کر بعد الركوع ”ضع یدین“ ہی کو سنت بتلا رہے ہیں!!

ایک دوسری مثال کے طور پر فطرہ میں نقد کے جواز اور عدم جواز کو لیں، حنفی مذہب کا پورا گروہ صرف ایک ہی فتویٰ دئے جا رہا ہے کہ نقد جائز ہے، اور اس مذہب کے یہ مفتیان علم و بصیرت اور زہد و تقویٰ میں کچھ کم بھی نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی سب کی زبان پر ایک ہی فتویٰ گردش کرتا نظر آتا ہے کہ نقد جائز ہے۔ دوسری طرف حنابلہ وغیرہ کے بزرگ مفتیان کو دیکھ لیں یہ علم و فقہ میں احناف سے کسی درجہ کم نہیں، لیکن حال یہ ہے کہ احناف کے بالکل برعکس، یہ سب کے سب ایک زبان ہو کر نقد کو ناجائز بتلاتے جا رہے ہیں۔

اگر گروہ بندی سے ہٹ کر مختلف افراد کے اجتہادات میں اختلاف ہوتا تو ہم مانتے کہ یہ فہم و فراست اور علم و ادراک کے تفاوت کا نتیجہ ہے، لیکن دو مختلف گروہ کا جب یہ حال ہو جائے کہ ہر گروہ کا علامہ، مجتہد اور امام خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اپنے گروہ کا فتویٰ ہی زبان پر لاتا ہو، تو صدق دل سے بتلائیے کہ یہ ”مذہبی دائرہ فقہ“ کی کرشمہ سازی نہیں تو اور کیا ہے؟؟؟

مذہبی مجتہدین کا یہ وہ نقص ہے جسے آج کے بہت سارے اہل حدیث حضرات محسوس نہیں کر پاتے اور ان مذہبی مجتہدین کو بھی اہل حدیث مجتہدین کی طرح باور کر بیٹھتے ہیں۔ حنبلی مجتہدین کے فقہی مراجع میں دلائل نسبتاً زیادہ ہیں، اس لئے حنبلی مجتہدین کے فتاویٰ



# بازار جانے کے آداب

شیخ مقصود الحسن فیضی

حدیث:

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مَنْ دَخَلَ السُّوقَ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُخَيَّرُ وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفٍ حَسَنَةٍ، وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفٍ سَيِّئَةٍ، وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفٍ دَرَجَةً"، (سنن الترمذی: ۳۴۲۸، الدعوات، سنن ابن ماجہ: ۲۳۵، التجارات، مسند احمد: ۴۷۱)

ترجمہ:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہو اور یہ (مندرجہ بالا) ذکر پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اس کے دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے، اور اس کے دس لاکھ درجات بلند کرتا ہے۔

تشریح:

بازار ایک ایسی چیز ہے جس سے تقریباً ہر شخص کا سابقہ پڑتا ہے بلکہ بازار کسی بھی معاشرے اور مجتمع کی ایک اقتصادی اور معاشرتی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر قوم میں بازار کا وجود رہا ہے حتیٰ کہ صرف شہروں ہی میں نہیں بلکہ دیہاتوں میں بھی بازار و منڈی کا اہتمام ہوتا رہا ہے، جہاں لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے، بیچتے اور ادھر ادھر سے آئے ہوئے لوگوں سے متعارف

ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اللہ کے افضل ترین بندے بھی بازاروں سے اپنا ایک گونہ تعلق رکھتے تھے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (الفرقان: ۲۰) لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بازار انسان کی صرف ایک ضرورت ہے اس کی فضیلت نہیں ہے کیونکہ بازار شور و شرابا، جھوٹ و دھوکہ اور فواحش و منکرات کا مرکز ہوتا ہے، وہاں للہیت کم اور مادیت زیادہ دکھائی دیتی ہے، ذکر الہی کا اہتمام کم سے کم تر اور جھوٹی قسمیں کثرت سے کھائی جاتی ہیں، اسی لئے نبی ﷺ نے بازار کو بدترین جگہ قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں (صحیح مسلم: ۶۷۱، المساجد بروایت ابو ہریرہ) لیکن چونکہ بازار انسان کی ایک ضرورت ہے لہذا شریعت نے بازار میں داخلے اور وہاں اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے اور بیچنے کی اجازت دی ہے، البتہ اس کے لئے کچھ آداب رکھے ہیں جس کا پاس و لحاظ رکھنا مسلمان کے لئے بڑا اہم ہے، ان میں سے چند اہم آداب درج ذیل ہیں۔

۱۔ بازار ضرورت و حاجت کے تحت جایا جائے: وقت گزارنے اور لوگوں کی بھیڑ دیکھنے کے لئے جانا مناسب نہیں ہے، مسلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے بازار میں نہ داخل ہو



نے اپنے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ: اے انس ”لوگ شہروں کو آباد کریں گے انہیں شہروں میں سے ایک شہر بصرہ ہوگا اگر وہاں سے تمہارا گزر ہو یا تمہارا داخلہ ہو تو وہاں کی شور والی زمین، سرسبز زمین، کھجوروں کے باغات، نوابوں کے محل اور اسکے بازاروں سے دور رہنا اور اس شہر سے کناروں میں رہائش اختیار کرنا کیونکہ وہاں کے لوگوں کی شکلیں بدل دی جائیں گی، ان پر پتھروں کی بارش ہوگی اور کچھ لوگ (بے حیائی و فحاشی کے کاموں میں) رات گزاریں گے تو صبح ہوتے ہوتے انکی شکلوں کو سوراخ اور بندروں کی شکل سے بدل دیا جائے گا۔ (سنن ابو داؤد)

۵۔ متانت و سنجیدگی کو لازم پکڑیں: بازار شور و شرابا، چیخ و پکار اور نعرہ بازی کی جگہ ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں متانت و سنجیدگی اور حسن اخلاق کے خلاف ہیں، تورات وغیرہ پچھلی کتابوں میں نبی ﷺ کی ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ آپ بازار میں شور و شرابا کرنے والے نہ ہونگے۔ (صحیح البخاری) نیز نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر متکبر، پیٹو اور بازاروں میں شور و شرابا کرنے والے سے بغض رکھتا ہے... الحدیث (صحیح ابن حبان)

۶۔ ایک نبوی وصیت: حضرت قیس بن ابی عزرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بازار میں تھے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: لغو باتیں اور قسم کھانا اس بازار کا حصہ ہے لہذا اسے تم صدقہ سے ملا دو۔ (سنن النسائی: ۱۵۷۷، مسند احمد: ۶/۴)

فائدے:

۱۔ بازار میں داخلہ کے کچھ اداب ہیں جنکا پاس و لحاظ بہت ضروری ہے۔

۲۔ کلمہ ”توحید کی فضیلت و اہمیت ہے کہ وہ گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

۳۔ جس وقت اور جس جگہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہوں وہاں اللہ کے ذکر کا اہتمام بڑی عظیم نیکی ہے۔

اور نہ سب سے آخر میں نکلے کیونکہ بازار شیطان کے دنگل ہیں اور شیطان وہیں اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۵۱) لہذا ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد جلدی بازار سے نکل جائیں۔

۲۔ دعا نہ بھولیں: زیر بحث حدیث میں اسی دعا کا ذکر اور اسکی فضیلت بیان ہوئی ہے، بظاہر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اس چھوٹے سے عمل پر اتنا بڑا اجر کیا معنی رکھتا ہے؟ حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لیکن شاید اولاً اسکی وجہ کلمہ توحید کی فضیلت و برکت ہے۔ اور ثانیاً چونکہ بازار ذکر الہی سے غفلت کی جگہ ہے، جہاں جاتے ہوئے ہر شخص کی توجہ اپنی ضرورت کی طرف ہوتی ہے لہذا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہو لوگوں کی غفلت اور مشغولیت کے وقت میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے نامہ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور قیامت کے دن اسکو ایسی مغفرت سے نوازے گا کہ لوگوں کے وہم گمان میں بھی نہ ہوگی۔ (شرح السنہ: ۱۳۳۹)

۳۔ نظر نیچی رکھیں: بازار میں باپردہ اور بے پردہ دونوں قسم کی عورتیں ہوتی ہیں، مسلم و کافر ہر قسم کی عورتیں آتی ہیں، بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنکا دیکھنا مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہوتا لہذا ایک مسلمان سے مطالبہ ہے کہ ایسے حالات میں اپنی نظر کو نیچی رکھے، صحابہ کرام نے جب رسول اللہ ﷺ سے عام راستوں اور بازاروں کی مجالس میں بیٹھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے جن شرطوں کے ساتھ اجازت دی تھی ان میں ایک شرط نظر نیچی رکھنا بھی شامل ہے۔ (صحیح البخاری)

۴۔ ہر بازار داخلہ کے لائق نہیں ہوتا: بہت سے بازار ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں فواحش و منکرات کی دعوت عام ہوتی ہے، حدود الہیہ کی پامالی بڑی دلیری کے ساتھ کی جاتی ہے۔ وغیرہ۔ لہذا ایسے بازاروں میں داخلے سے پرہیز ضروری ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ

# اللہ رب العالمین عرش پر مستوی ہے۔

اشفاق احمد صی اللہ سناہلی

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ (المؤمنون: ۱۱۶)  
 ”اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بزرگ عرش کا مالک ہے۔“  
 ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (النمل: ۲۶)  
 ”اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔“  
 ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ (الحاقة: ۱۷)  
 ”اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔“

﴿وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الزمر: ۷۵)  
 ”تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔“

حدیث کے دلائل:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَزْبِ: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ“۔ (صحیح مسلم: ۲۰۹۲/۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: ”اللہ حلیم و عظیم کے

اسماء و صفات کے باب میں باری تعالیٰ کے لئے عرش اور کرسی کا ثبوت برحق ہے اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور کرسی اس کے قدموں کی جگہ ہے۔ آنے والے سطور میں بالاختصار عرش اور کرسی کو دلائل کی روشنی میں ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ عز و جل عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس کے لائق اور زیبا ہے اس کے عرش پر مستوی ہونے کی کوئی تاویل کرنا درست نہیں ہے۔

عرش: لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں جیسا کہ بلقیس کے تعلق سے فرمایا: ﴿وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ اور اس کا ایک عظیم تخت ہے۔ (النمل: ۲۳)

اللہ کے لئے عرش کا ثبوت برحق ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

قرآنی دلائل:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ (البروج: ۱۵) ”عرش کا مالک عظمت والا ہے۔“

﴿رَفِيعَ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ﴾ (غافر: ۱۵) ”بلند درجوں والا عرش کا مالک۔“

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) ”رحمن عرش پر مستوی ہے۔“

﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الأعراف: ۵۴) ”پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔“



(الحاقہ: ۱) ”تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے“ کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح سے ”وكان عرشه على الماء“ (ہود: ۷) اور اس کا عرش پانی پر ہے، کیا محرفین یہ کہیں گے کہ اس کی بادشاہت پانی پر ہے اور کیا موسیٰ علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بادشاہت کے پایوں میں سے کسی پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گے؟ ہرگز نہیں! کوئی عقلمند اس طرح کی بات بالکل نہیں کر سکتا۔

لہذا عرش الہی ”عرش“ ہی ہے فلک اور بادشاہت سے اس کی تشریح کرنا درست نہیں۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اہل عرب نے عرش سے کبھی فلک یا ملک مراد نہیں لیا ہے بلکہ عربوں کے یہاں اس سے مراد پایوں والی تخت ہوتا ہے لہذا ہم عرش الہی کے سلسلے میں یہی کہیں گے کہ وہ پایوں والا عرش ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

عبداللہ بن رواحہ کہتے ہیں:

(شہدت بأن وعد الله حق... وأن النار مشوى الكافرين)  
(وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ طَاف... وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِينَ)  
(وَتَحْمِلُهُ مَلَائِكَةٌ كَرَام... مَلَائِكَةُ إِلَهِهِ مَسْوْمِينَ)

”میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور جہنم کافروں کا ٹھکانہ ہے۔“ اور عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش کے اوپر رب العالمین ہے۔ ”وہ عرش جسے باری تعالیٰ کے معزز متبعین فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔“

کرسی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کرسی کا ثبوت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (البقرة: ۲۵۵) ”اس کی کرسی زمین و آسمان کو وسیع ہے۔“

کرسی کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی کہا گیا کہ یہ کرسی ہی عرش ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ کرسی الگ اور عرش الگ شئی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: ”الكرسي موضع

علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہی عرش عظیم کا رب ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہی زمین و آسمان اور عرش کریم کا رب ہے۔“

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: --- ”فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ، فَاسْأَلُوهُ الْفَرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ - أَرْأَفُ - فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ“ - (صحيح البخاري: ۱۶۴۲، حدیث: ۲۷۹۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے جہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔“

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عرش کا ثبوت باری تعالیٰ کے لئے برحق ہے لیکن اس کے باوجود اہل کلام کی ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ عرش ”فلک“ ہے جو دنیا کو تمام اطراف سے گھیرے ہوئے گھوم رہا ہے کبھی کبھار یہ اسے فلک اطلس اور فلک طاسع کا نام بھی دیتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ نصوص شرعیہ میں یہ امر قطعی ہے کہ عرش کے پائے ہیں جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى أَخِذَ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ“ - (البخاري: ۱۲۱۸۳) ”لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہونگے سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا پس میں موسیٰ کے ساتھ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گا۔“

اسی طرح تحریف کرنے والوں نے ”عرش“ کی تشریح بادشاہت سے بھی کی ہے لیکن وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول ﴿وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾



عربی زبان میں ”علیٰ“ صلہ کے ساتھ وارد ہوا ہے انھیں معنوں میں ہی وارد ہوا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ (المؤمنون: ۲۸) ”پس جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر چڑھ جاؤ“۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ، لِيَسْتَخَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ (الزخرف: ۱۳، ۱۲)

معطلہ ”استوی“ کی تشریح و تفسیر ”استوی“ غلبہ پانے سے کرتے ہیں اور اپنے اس موقف کے لئے الزامی دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے استدلال کا مختصر جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

الزامی دلیل: شاعر کا قول

فقد استوى بشر على العراق من غير سيف ودمهراق  
بشر بن مروان عراق پر تلوار اور خون ریزی کے بغیر غالب ہوا۔  
وجہ استدلال: یہ ایک عربی شخص کا کلام ہے جس سے یہاں پر ہرگز عراق پر بلند ہونے کا مفہوم نہیں لیا جاسکتا بالخصوص اس زمانے میں جبکہ پرواز کے وسائل نہیں تھے لہذا استوی کا معنی استوی متعین ہو جاتا ہے۔

جواب: اس شعر کی کوئی سند اور سر بیرو موجود نہیں ہے کہ یہ عربی زبان میں تغیر سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ لہذا اس سے استدلال درست نہیں، دوسرے یہاں بھی استوی اپنے اصلی معنی (علو) پر ہی قائم رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ علو کی دو قسمیں ہیں علوحسی اور معنوی لہذا اگر بشر کو معنوی طور پر عراق پر بلند کر دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

سبلی دلیل: اگر اللہ رب العالمین کے لئے عرش پر مستوی ہونے کا مفہوم بلند ہونا ثابت مان لیا جائے تو اس سے کئی سلبیات لازم آئیں گی۔

قد میہ، والعرش لا یقدر قدرہ“۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۱۰/۲)

”کرسی (باری تعالیٰ کے) دونوں قدموں کی جگہ ہے اور عرش کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا“۔

اللہ کے نبی ﷺ سے کرسی کے سلسلے میں مرفوعاً صرف ایک ہی صحیح روایت وارد ہے: ما السموات السبع فی الكرسي إلا كحلقة ملقاة بأرض فلاة وفضل العرش علی الكرسي كفضل تلك الفلاة علی تلك الحلقة سلسلة الصحيحة (۲۲۳/۱، حدیث: ۱۰۹)

”ساتوں آسمان کرسی کی نسبت سے ایسے ہی ہیں جیسے ایک اگٹھی چٹیل میدان میں پڑی ہو اور عرش کی کرسی پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے وہ چٹیل میدان اگٹھی پر فائق ہے“۔

خلاصہ کلام یہ ہے کرسی عرش کے بعد سب سے بڑی مخلوق ہے جو اللہ کے لئے ثابت ہے یہ کوئی معنوی چیز نہیں جسکی تفسیر علم یا ملک وغیرہ سے کیا جائے اور کرسی کی تفسیر ”علم“ سے کر کے ابن عباس کی طرف نسبت کرنا درست نہیں بلکہ ابن عباس سے محفوظ وہی ہے جو سابقہ سطروں میں ذکر کیا گیا۔

استواء علی العرش:

اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عرش پر ایسے مستوی ہے جیسا اسکے جلال و عظمت کے لئے مناسب ہے۔ مخلوق کے استواء سے اس کی کوئی مناسبت نہیں۔

﴿الَّذِمْضُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) ”رحمن عرش پر مستوی ہو گیا۔“

سلف سے استواء کے سلسلے میں چار معانی منقول ہیں۔

۱۔ علا (بلند ہونا) ۲۔ ارتفع (بلند ہونا) ۳۔ صعد (چڑھنا)

۴۔ استقر (ثابت ہونا)

علاء، ارتفع، صعد تینوں ایک ہی معنی میں ہیں البتہ استقراریہ ذرا مختلف ہے۔ اہلسنت والجماعت کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی یہ کلمہ

قدم وغیرہ ہیں۔ جیسا کہ کتاب و سنت میں وارد ہے، اور بلا کسی تمثیل و تعطیل کے اللہ کی ذات موجود ہے۔

ج۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ وہ محدود ہے کیونکہ جب کوئی چیز کسی چیز پر بلند ہوتی ہے تو وہ محدود ہوتی ہے اس طور پر کہ آپ اگر گاڑی پر سوار ہونگے تو آپ ایک محدود و محصور دائرے میں ہوں گے ان تمام وجوہ کی بنیاد پر معطلہ کے نزدیک استوی کا معنی بلند ہونا نہیں بلکہ ”استوی“ غالب آنا ہے۔

خالق کے تین مخلوق سے محدود ہونے کا مفروضہ گھڑنا بالکل غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے عظیم اور بڑا ہے پھر اس کا استواء اس کی شان کے مطابق ہے لہذا یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے استواء کی بنیاد پر عرش باری تعالیٰ کو محیط ہو جائے۔

اجمالی جواب:

ان تمام اشکالات و اعتراضات و مفروضات کا مختصر اور دو ٹوک جواب اس انداز سے بھی دیا جاسکتا ہے کہ خالق کا قیاس مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا جس طرح خالق کی ذات مخلوق سے الگ ہے اسی طرح اس کی صفات بھی جدا گانہ ہیں، خالق کے استواء میں کوئی احتمال نہیں وہ عرش پر مستوی ہے جیسا اس کے لائق اور زیبا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (سورۃ الاعراف: ۵۴) وَغَيْرِهَا: ”كَيْفَ اسْتَوَىٰ؟ فَقَالَ: الْاِسْتِواءُ مَعْلُومٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ“۔ ”کہ اللہ کا استواء کیسا ہے تو انہوں نے فرمایا: استواء (کی حقیقت یعنی اس کا معنی بلند ہونا تو) معلوم ہے لیکن اس کی

کیفیت مجہول ہے“۔ (شرح الطحاویۃ - طدار السلام (ص: ۱۲۴) پس جس طرح اللہ کی صفات قرآن و احادیث میں وارد ہوئی ہیں ان کو ویسے ہی مان لینا واجب اور ضروری ہے ان میں تحریف یا انکی تعطیل اہل کلام اور فلاسفہ کا شیوہ ہونے کے ساتھ ساتھ آدمی کے ایمان میں خلل پیدا کرتی ہے۔ واللہ الموفق

ا۔ یہ لازم آئے گا کہ اللہ رب العالمین عرش کا محتاج ہے اور یہ چیز باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے اور لازم کا محال ہونا ملزوم کے محال ہونے کی دلیل ہے۔

جواب: عرش اور تمام چیزوں سے اللہ رب العالمین کی بے نیازی:

اللہ رب العالمین عرش و کرسی اور اسی طرح تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی حاجت و ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۹) ”اللہ رب العالمین سارے جہاں سے بے نیاز ہے“۔ اور مزید ایک جگہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (فاطر: ۱۵) ”اور اللہ بے نیاز اور تعریف والا ہے“۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عرش اور کرسی رب کی حاجت کے لئے نہیں بلکہ اس کی حکمت کا تقاضہ تھا جس کی وجہ سے اللہ نے پیدا کیا۔ اور عالی کا سافل کے اوپر ہونے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اس کا محتاج یا سافل عالی پر حاوی یا محیط ہو۔ دلیل کے لئے آسمان کی طرف دیکھیں کس طرح سے یہ زمین کے اوپر ہے لیکن نہ تو زمین کا محتاج ہے اور نہ ہی زمین اس پر حاوی یا محیط ہے۔ جب آسمان جو ایک ادنیٰ مخلوق ہے اس کا یہ حال ہے تو رب کریم جس کی شان اتنی عظیم اور بلند ہے اس کے بارے میں احتیاج کا تصور ہی غلط ہے۔ بلکہ اس کی قدرت سے ہی عرش قائم ہے، عرش اللہ رب العالمین کا محتاج ہے اور اللہ عرش کا احاطہ کئے ہوئے ہے عرش نے اللہ کا احاطہ نہیں کیا ہے۔

ب۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اس کے جسم ہو کیونکہ کسی چیز کا کسی چیز پر (بلند ہونے کے معنی میں) مستوی ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا جسم ہے۔

جواب: معطلہ کے اس مفروضے کا مقصد اگر اللہ کے لئے ذات ثابت کرنا ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں اس کے دو ہاتھ، چہرہ اور



# سب سے بڑی دولت

حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی

سے بچانے کی فکر کیا کرتے تھے اور انہیں ہمہ وقت اس بات کی نصیحت کرتے تھے کہ اپنا ایمان باقی رکھو، اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو، شیطان کی پیروی اور اطاعت سے خود کو بچاؤ اور ایک مرتبہ تو اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بہت ساری باتوں کی نصیحت کی اور نصیحت کرتے ہوئے سب سے پہلی بات یہ ذکر کی، فرمایا: ”لا تشرک باللہ شیئاً وان قتل و حرقت“۔ (مسند احمد: ج: ۳۶، ص: ۳۹۲، ح: ۲۲۰۷۵، وصححه الالبانی فی الارواء: ۲۰۲۷) ”معاذ! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چاہے تمہیں قتل کر دیا جائے یا جلادیا جائے۔“

ایسا صرف اس لئے کیونکہ شرک سے بندے کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، اللہ ناراض ہوتا ہے اور بنا تو بہ کئے اگر شرک ہی پر بندے کا انتقال ہو جائے تو جنت اس پر حرام ہو جاتی ہے اور جہنم اس کا مقدر بن جاتا ہے، اللہ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدہ: ۷۳) ”یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔“

قارئین کرام! اللہ کے فضل و کرم سے اگر آپ کے پاس ایمان کی دولت ہے تو آپ اس پر رب کا شکر ادا کریں اور اپنے ایمان کو ہر طرح کی غلاظت و گندگی سے بچانے کی فکر کرتے رہیں، اس زعم باطل میں ہرگز نہ رہیں کہ میرا ایمان بہت مضبوط ہے اور میں فلاں مسلک و جماعت کا ماننے والا ہوں لہذا شیطان کا زور مجھ پر نہیں چل

رب کریم کا یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور ایک مسلمان گھرانے میں پیدا کیا، اس دنیا کی سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ انسان خود کو ایمان والا بنالے اور اللہ رب العالمین کو اپنا سب کچھ تسلیم کر لے، قیامت کے دن ایک ایسے انسان کو لایا جائے گا جس کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، اس بندے سے اللہ کہے گا کہ اے بندے! اگر آج تیرے پاس زمین کے برابر سونا ہو اور تجھ سے یہ کہا جائے کہ یہ زمین کے برابر سونا ہمیں دے دے بدلے میں ہم تجھے جہنم سے نکال کر جنت کے اندر داخل کر دیں گے تو کیا تو دینے کے لئے تیار ہے؟ وہ بندہ کہے گا کہ: ہاں میں تیار ہوں، زمین کے برابر سونا مجھ سے لے لو، بدلے میں مجھے جنت دے دو، تو جواب میں اللہ کہے گا کہ: نہیں، آج کے دن ہمیں یہ سودا منظور نہیں ہے بلکہ تیرے لئے دردناک عذاب ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوگا؟ کیوں اللہ اس بندے کے سامنے ایک آپشن رکھ کر اسے خود ہی ناقابل قبول قرار دیں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ وہ ایسا انسان ہوگا جس نے دنیا کے اندر رب کا انکار کیا ہوگا، اس پر ایمان نہ لایا ہوگا اور دنیا سے جاتے وقت وہ بندہ اللہ کے پاس ایمان کی دولت لے کر نہیں گیا تھا۔

معلوم یہ ہوا کہ ایمان اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، یہ دولت جس کے پاس ہوگی وہ آخرت میں کامیاب ہوگا اور جنت اسے ملے گی، بصورت دیگر بندہ ناکام و نامراد ہوگا اور بدلے میں اسے جہنم کے حوالے کر دیا جائے گا، نبی اکرم ﷺ ہمیشہ صحابہ کرام کو شیطان



اطاعت سے کم ہوتا ہے۔“

گویا کہ ایمان زبان، دل اور اعضاء و جوارح کو مکمل اللہ کے حوالے کر دینے کا نام ہے، اگر کوئی شخص صرف زبان سے لا الہ الا اللہ کا کلمہ پڑھتا ہے مگر اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق نہیں کرتا تو اسے مومن نہیں کہا جائے گا، کوئی ایسا ہے جو دل سے تو مانتا ہے کہ اسلام سب سے اچھا اور پیارا مذہب ہے اور اس بات کا بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ہی پوری دنیا کو بنانے والا ہے اور وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے لیکن زبان سے اس بات کا اقرار نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص کا صرف دل سے تصدیق کرنا بھی اس کے مومن ہونے کے لئے کافی نہیں ہوگا، اسی طرح کوئی ایسا ہے جو زبان اور دل دونوں سے تو مانتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے لیکن عمل کی دنیا میں وہ زبان اور دل کے خلاف جاتا ہے اور عمل کرتا ہی نہیں ہے تو ایسے شخص کا ایمان بھی خطرے میں ہے یہاں تک کہ وہ عمل کرنے لگے۔ اور ایمان ایسی چیز ہے جس میں کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہے، صاحب ایمان شخص جب اللہ کی اطاعت کرے گا اور اس کی مرضی کے مطابق چلے گا تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوگا بصورت دیگر اس کے ایمان میں کمی واقع ہو جائے گی۔

#### ایمان کے ارکان:

جس طریقے سے اسلام کے پانچ ارکان ہیں ایسے ہی مذہب اسلام نے ایمان کے بھی ارکان بتلائے ہیں جن پر مکمل طور سے ایمان رکھنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، ایمان کے چھ ارکان ہیں: ۱۔ اللہ پر ایمان ۲۔ اللہ کے فرشتوں پر ایمان ۳۔ اللہ کی کتابوں پر ایمان ۴۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر ایمان ۵۔ قیامت کے دن پر ایمان ۶۔ تقدیر اور اسکے بھلے یا برے ہونے پر ایمان ایمان کے ان چھ ارکان پر مکمل ایمان لانا اور رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص ایمان کے ان چھ ارکان یا ان میں سے کسی ایک رکن کو بھی تسلیم نہیں کرتا ہے تو اس کا ایمان نامکمل ہے بلکہ وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

سکتا اور میرے ایمان پر آنچ نہیں آسکتی بلکہ اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے مسلسل اللہ سے دعائیں مانگتے رہیں، دیکھیں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ ہدایت یافتہ اور مضبوط ایمان والا کوئی نہیں ہو سکتا ہے اس کے باوجود آپ ﷺ ہمیشہ اللہ سے ہدایت اور تقویٰ کا سوال کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے حدیثیں بتلاتی ہیں کہ آپ کثرت سے اللہ سے ایک دعا مانگتے تھے، وہ دعا یہ ہے: ”اللهم انی اسالک الهدی والتقی والعفاف والغنی“۔ (صحیح مسلم: ۲۷۲۱) ”اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔“

یہ ہے نبی اکرم ﷺ کی دعا اور اس کا معنی، غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایمان کے بالکل اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود نبی ﷺ اللہ سے ہدایت کا سوال کر رہے ہیں، اس لئے کہ انسان کو شیطان کب، کہاں اور کس طریقے سے گمراہ کر دے اور اسے شرک جیسے خبیث گناہ میں ملوث کر دے یہ کوئی نہیں جانتا، اسی لئے اللہ نے قرآن مجید میں عقلمندوں کی ایک دعا کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸) ”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔“

#### ایمان کی تعریف:

ایک مومن کو ایمان کی تعریف بھی جان لینی چاہیے تاکہ وہ ایمان کے تقاضوں کو مکمل طور سے ادا کر سکے اور اس کے ایمان میں کھوٹ یا کمی باقی نہ رہ جائے، ایمان کی تعریف کرتے ہوئے علماء کرام نے لکھا ہے: ”اقرار باللسان، تصدیق بالجنان، عمل بالارکان، یزید بطاعة الرحمن وینقص بطاعة الشیطان“۔ ”زبان سے اقرار کرنا، دل سے اس بات کی تصدیق کرنا، اعضاء و جوارح کے ذریعے عمل کرنا، یہ اللہ کی اطاعت سے بڑھتا ہے اور شیطان کی

## ایمان کی فضیلت:

ایمان کی تعریف اور اس کے ارکان کی جانکاری کے بعد اب ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایمان کی فضیلت کیا ہے اور ایمان لانے کے بعد صاحب ایمان کو کون کون سے فوائد حاصل ہوتے ہیں نیز شریعت نے ایمان کی کن فضیلتوں کو بیان کیا ہے، ذیل میں ایمان کی چند فضیلتوں اور ان کے دلائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ ایمان دنیوی و اخروی سعادت و ہدایت کا ذریعہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ ”سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستے پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے“۔ (الانعام: ۱۲۵)

۲۔ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل ایمان ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللَّهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا: اے اللہ کے رسول: کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ (بخاری: ۲۵۱۸)

۳۔ ایمان کی موجودگی مومن کو گناہوں سے باز رکھتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾ ”یقیناً جو لوگ تقویٰ والے ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں“۔ (الاعراف: ۲۰۱)

۴۔ ایمان عمل کے قبولیت کی شرط ہے۔

اللہ عز وجل فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ”یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ

آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے“۔ (الزمر: ۲۵)

محترم قارئین! آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کا اللہ پر ایمان ہے، آپ دنیا کی سب سے بڑی دولت کو حاصل کر کے سب سے بڑے مالدار بن گئے ہیں، بس ہمیشہ اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کرتے رہیں اور مسلسل اللہ سے خاتمہ بالخیر کی دعائیں مانگتے رہیں اس لئے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں کے ساتھ ساتھ انسان کے خاتمے پر بھی ہے کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے تمام ایمان والوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (ال عمران: ۱۰۲) ”کہ تمہیں جب موت آئے تو ایمان کی حالت میں آئے“۔ اللہ کے پیارے نبی و رسول حضرت یوسف علیہ السلام اللہ سے دعا مانگتے ہیں: ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۱) ”کہ اے اللہ! مجھے مسلمان کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمائے“۔ اور اسی بات کی وصیت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی، فرمایا: ﴿يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (البقرة: ۱۳۲) ”کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین کو چن لیا ہے لہذا خیال رکھو کہ تمہیں جب کبھی بھی موت آئے تو تم مسلمان بن کر اس دنیا سے جاؤ“۔

اس لئے ایک صاحب ایمان کو ہمیشہ اپنے ایمان کے تعلق سے فکر مند ہونا چاہیے کہ شیطان کب ایمان پر ڈاکہ ڈال دے کسی کو نہیں معلوم ہے، اگر ایمان لانے کے بعد ایمان سالم ہی رہ جاتا تو کبھی انبیاء ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے اور نہ ہی اللہ ہمیں اس تعلق سے متنبہ کرتا۔ آپ مومن ہیں تو اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اپنے ایمان کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں تاکہ کل قیامت کے دن اس ایمان کا بدلہ جنت کی صورت میں آپ کے ہاتھ لگ جائے۔ اللہ ہم سبھی کو اپنے ایمان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔



# اسباب نزول

اکبر شمس مدنی

نزول کے اعتبار سے قرآن کی تمام آیات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اول: وہ آیات جن کا کسی خاص سبب یا واقعہ سے تعلق نہیں ہے۔

وہ آیات جن کا کسی خاص سبب یا واقعہ سے تعلق نہیں ہے، ایسی آیات کی تعداد قرآن میں بہت زیادہ ہے۔ اور وہ احکام، آداب اور قصص پر مشتمل ہیں۔ ان آیات کے تنزیل کا اصل مقصد مخلوق کی ہدایت اور دنیا و آخرت کی سعادت کی جانب رہنمائی ہے۔

دوم: وہ آیات جو کسی خاص سبب یا واقعہ سے متعلق ہیں۔ اور ہمارا یہ موضوع اسی طرح کی آیات سے تعلق رکھتا ہے ایسی آیات کی تعداد پہلی قسم کے بنسبت بہت کم ہے، اور یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں ان تمام آیات کا استیعاب بھی مقصود نہیں ہے بلکہ غرض ان قواعد و اصطلاحات کو ذکر کرنا ہے جو کتاب کے نزول کے اسباب کی معرفت کو آسان کر دیتے ہیں جس سے کتاب اللہ کے مفہوم کو سمجھنا آسان تر ہو جاتا ہے۔

(۲) اسباب نزول کی تعریف۔

گرچہ علوم حدیث کی اس نوع کا ظہور عہد نبوی ہی میں ہو گیا تھا اور اس موضوع پر تالیفات بھی تیسری صدی کی اوائل میں منظر عام پر آ گئی تھیں تاہم ان تالیفات میں اس نوع کی تعریف کا ذکر نہیں ملتا بلکہ وہ کتابیں جو علوم قرآن کے استقرار کے بعد لکھی

قرآن کریم کا نزول انسانیت کی رشد و ہدایت کے لئے ہوا ہے۔ یہ سیدھی راہ کا علمبردار اور انسانیت کی بلند معیار اخلاقی اور سماجی زندگی کا بانی ہے، جس کی بنیاد ایک اللہ پر ایمان اور رسالت کی تصدیق پر ہے۔ یہ ماضی، حال اور مستقبل کی خبروں اور واقعات کا آئینہ ہے۔

ویسے تو اس کتاب کی بیشتر آیات ابتداء بغیر کسی خاص سبب کے نازل ہوئی ہیں، لیکن اس کی بعض آیات کسی خاص پس منظر میں نازل ہوئیں کیونکہ صحابہ کرام کے مابین جب کوئی خاص واقعہ درپیش ہوا جس میں کسی شرعی حکم کے بیان کی ضرورت تھی یا کسی معاملہ میں انہیں التباس ہو گیا تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں اسلام کی جانکاری کے لئے سوال کرتے لہذا اس حادثہ یا سوال سے متعلق وحی کا نزول ہوا۔ اور ان حوادث و واقعات اور سوالات کو اسباب نزول کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں اسباب نزول سے متعلق چند اہم نقطوں پر گفتگو کی جائے گی۔

(۱) نزول کے اعتبار سے آیات کی اقسام۔

جب ہم قرآن سمجھ کر پڑھتے ہیں تو کبھی کبھار دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ ان آیات میں جو باتیں ذکر کی گئیں ہیں ان کا کسی خاص واقعے سے تعلق ہے جبکہ بعض آیات میں جو خطاب ہے وہ عام اور مطلق ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اسباب نزول سے پہلے نزول کے اعتبار سے آیات کی قسموں پر گفتگو کی جائے۔



گئیں ان کے مؤلفین نے اس کی تعریف کا اہتمام کیا ہے۔

(۱) علامہ زرقانی لکھتے ہیں: ”سبب النزول: ہو ما نزلت الآیة أو الآیات متحدثة عنه أو مبينة لحكمه أيام وقوعه“ (مناهل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی: ۱۰۶/۱)

وہ چیز جس کے بارے میں کوئی آیت یا چند آیتیں نازل ہوئی ہیں جو اس کے متعلق خبر دے رہی ہوں یا اس کے واقع ہونے کے وقت اس کا حکم بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہوں اسے ”سبب نزول“ کہا جاتا ہے۔

(۲) شیخ مناع قطان اور ڈاکٹر فہد رومی لکھتے ہیں: ”ہو ما نزل قرآن بشأنہ وقت وقوعہ (دراسات فی علوم الحدیث فہد الرومی: ص: ۱۴۹) کحادثة أو سؤال“ (مباحث فی علوم القرآن لمناع القطان: ص: ۷۳) وہ معاملہ یا واقعہ جس کے پیش آئیے وقت اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہو جیسے کوئی حادثہ یا سوال اسے ”سبب نزول“ کہا جاتا ہے۔

دوسری تعریف زیادہ صحیح ہے کیونکہ دونوں تعریفوں یہ زیادہ واضح اور مختصر ہے۔  
تعریف کی شرح۔

”ہو ما نزل قرآن بشأنہ“۔ جس کی شان میں قرآن نازل ہوا ہو۔ اور وہ کوئی ذات بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَحْجُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَفِيسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹)

یہ آیت ایک انصاری صحابی کی شان میں نازل ہوئی: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَابَنِي الْجَهْدُ فَأَرْسَلْ إِلَيَّ نِسَائِي فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَلَا رَجُلٌ يُصَيِّفُهُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ يَزْحَمُهُ اللَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لَا مَرَأَتِي ضَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخِرِيهِ شَيْئًا قَالَتْ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصَّبِيَةِ قَالَ فَإِذَا أَزَادَ الصَّبِيَةُ الْعِشَاءَ فَتَوَّ مِيَهُمْ وَتَعَالَى فَأَطْفَأَ السِّرَاجَ وَطَوَّى بَطُونَنَا اللَّيْلَةَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ عَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ عَجِبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ صَحَّكَ مِنْ فَلَانٍ وَفُلَانَةٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَحْجُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَفِيسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹) (صحیح البخاری: ۱۳۸۶/۲) رقم الحدیث: ۳۸۸۹

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھوک لگی ہے رسول ﷺ نے اپنے زوجات مطہرات کے پاس کہلا بھیجا تو ان کے پاس بھی کچھ نہ ملا تو رسول ﷺ نے فرمایا کوئی ایسا آدمی ہے جو آج رات اس آدمی کی میزبانی قبول کر لے اللہ اس پر رحمت فرمائے ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں (میزبانی کے لئے تیار ہوں) پھر وہ اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ کے مہمان کے لئے کچھ نہیں کرو گی وہ کہنے لگیں کہ بچوں کی خوراک کی سوا کچھ بھی نہیں ہے، کہا: جب بچے شام کا کھانا مانگیں گے تو انہیں سلا دینا اور آکر چراغ بجھا دینا اور آج کی رات ہم بھوکے رہ جاتے ہیں، چنانچہ بیوی نے ویسے ہی کیا پھر صبح وہ آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئے تو رسول ﷺ نے کہا: اللہ کو پسند آیا (یا راوی نے کہا کہ) کہ آپ نے کہا: اللہ کو فلاں اور فلا نہ پر ہنسی آئی اور یہ آیت نازل کی:

کہ وہ عرفہ میں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس ہوں اسی حکم کے بیان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

”وقت وقوم“ اس کے واقع ہونے کے وقت۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آیت کا نزول پیش آمدہ حادثہ یا واقعہ کے وقت یا دن میں ہوا ہے اگر واقعہ یا حادثہ کا وقوع نزول آیت سے پہلے درازعر صے میں ہوا ہے تو آیت کے نزول کا سبب یہ واقعہ نہ ہوگا بلکہ یہ عہد ماضی کے واقعات اور گذشتہ امتوں کے اخبار کے قبیل سے ہوگا جیسے آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے قصوں پر مشتمل آیتیں ہیں۔

لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ جن آیات کا نزول کسی واقعہ کے سبب ہے وہ اس واقعہ کے فوراً بعد نازل ہوئی ہوں تب ہی وہ سبب نزول میں شمار ہوں گی۔ جیسا کہ اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَبِيرٌ لَّكُم لِكُلِّ إِفْكٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ - لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَبَرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾ (النور: ۱۱-۱۲) کا معاملہ ہے۔ یہ آیت حادثہ افک کے تقریباً ایک ماہ کے بعد نازل ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ”وقد لبث شهرا لا يوحى إليه فى شأنى“ (صحیح البخاری: (۱۷۷۳/۳) رقم الحديث: ۴۳۷۳) ایک مہینہ گزر گیا میری شان میں وحی نہیں آئی۔

”کحادثہ“ جیسے کہ کوئی حادثہ واقع ہوا ہو۔ مثال کے طور پر حادثہ افک۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو نبی ﷺ بہت پریشان ہو گئے کیونکہ یہ واقعہ سیدہ خاندان نبوت پر ایک ضرب تھی اس لئے اللہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں قرآن میں مذکورہ بالا آیات نازل کیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ دس آیتیں عائشہ رضی اللہ عنہا

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحْجَبُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَخْخَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹)

یا کوئی شرعی حکم بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے عرفہ سے افاضہ کے حکم میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَذَا كُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِينَ﴾ (البقرة: ۱۹۸) حج کے احکام میں سے ہے کہ نوین ذوالحجہ کو حاجی عرفات جائے اور وہاں سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز ادا کئے بغیر وہ مزدلفہ کوچ کر جائے۔ سارے عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی عرفات سے ہی لوٹتے تھے سوائے قریش کے وہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آیا کرتے تھے۔ اسلام کے بعد بھی قریش کا یہ عمل جاری رہا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بیان کر دیا گیا کہ تمام لوگ خواہ قریش ہوں یا دنیا کے دیگر مسلمان سب عرفات سے جا کر واپس آئیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: كَانَتْ قَرِيشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يَسْمَوْنَ الْخُمْسَ وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامَ أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ ثُمَّ يَقِفَ بِهَا ثُمَّ يَفِضَ مِنْهَا فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَذَا كُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِينَ﴾ (البقرة: ۱۹۸) (صحیح البخاری: (۲۸/۶) رقم الحديث: ۴۵۲۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے ہم عقیدہ تھے مزدلفہ ہی میں وقوف کیا کرتے تھے اور انہیں خمس کہا جاتا تھا۔ جب اسلام آیا تو نبی ﷺ نے یہ حکم فرمایا



مذکورہ آیت تلاوت کی۔

(۳) سبب نزول کی معرفت کے طریقے۔

سبب نزول ان تاریخی حوادث میں سے ہے جو عہد نبوی میں پیش آئے اس لئے اس کی معرفت کا واحد ذریعہ ان شخصیات کی صحیح روایات ہیں جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا اور اس حادثے کے لکھتے وقت موجود رہے۔ علامہ واحدی لکھتے ہیں: ”ولا يحل القول في أسباب نزول الكتاب إلا بالرواية والسماع ممن شاهدوا التنزيل، ووقفوا على الأسباب“۔ (اسباب القرآن للواحدی: ۴/۱) کتاب اللہ کے اسباب نزول میں کوئی بات کہنا درست نہیں مگر یہ کہ ان لوگوں کی روایت اور سماع کے ذریعہ ہو جنہوں نے اس کے نزول کا مشاہدہ کیا ہو اور اس کے اسباب پر واقفیت رکھتے ہوں۔

سبب نزول میں رائے یا اجتہاد کی قطعی گنجائش نہیں کیونکہ یہ قرآن میں قول بلا علم کے مترادف ہوگا۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں: سألت عبدة عن آية من القرآن فقال: اتق الله وقل سدا، ذهب الذين يعلمون فيما أنزل القرآن. (اسباب القرآن للواحدی: ۴/۱) میں نے عبیدہ سے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صحیح بات کہو وہ لوگ دنیا سے چلے گئے جو یہ جانتے تھے کہ قرآن کس کے بارے میں نازل ہوا۔

مذکورہ سطور کی روشنی میں سبب نزول میں صرف دو طرح کے لوگوں کا قول معتبر ہوگا۔

اول: صحابی :

(الف) سبب نزول میں صحابی کے قول کے معتبر ہونے کے اسباب۔

(۱) صحابی کا اس کے نزول کا ہم عصر ہونا۔

(۲) صحابی کے قول میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہونا۔

کی شان میں نازل ہوئیں جب منافقین نے ان پر صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بہتان لگایا۔ (تفسیر القرآن العظيم لابن كثير: ۱۹/۶) ان آیات کے میں بارے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزول کا سبب عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت ہے اور یہ واقعہ اقل اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے بارے میں خبر دے رہی ہیں۔

”اوسوال“ یا نبی ﷺ سے کوئی سوال کیا گیا ہو اس کے جواب میں آیت نازل ہوئی ہو۔ جیسے یہ آیت ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الإسراء: ۸۵) عن عبد الله قال: بينما أنا أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في حرث وهو متكئ على عسيب إذ مر بنفر من اليهود فقال بعضهم لبعض سلوه عن الروح ... فقام إليه بعضهم فسأله عن الروح قال فأسكت النبي صلى الله عليه وسلم فلم يرد عليه شيئا فعلمت أنه يوحى إليه قال فقمت مكاني فلما نزل الوحي قال ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الإسراء: ۸۵) (صحيح مسلم: ۲۱۵۲/۳) رقم الحديث: (۲۷۹۴)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثنا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں چل رہا تھا آپ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لئے ہوئے تھے یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے آپ کا گزر ہوا تو ان میں سے بعض نے کہا ان (رسول ﷺ) سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔۔۔ تو ان میں سے بعض نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق پوچھا (راوی کہتے ہیں نبی ﷺ خاموش ہو گئے اور انہوں نے کچھ نہ کہا تو مجھے احساس ہو گیا کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے (راوی) کہتے ہیں میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور جب وحی نازل ہو گئی تو نبی ﷺ نے

(۳) صحابی کے قول کو مرفوع کا مرتبہ حاصل ہونا۔

(ب) صحابی کے قول کی نوعیت۔

(۱) سبب نزول میں صریح ہو۔ جیسے صحابی کا کہنا: ”سبب نزول الآیۃ کذا“ یا کسی حادثہ یا سوال کے بعد اگر ”نزل“ مادہ کا استعمال ہو تو اس پر ف تعقیبی داخل ہو جیسے: ”حدث کذا“ ”سئل رسول الله عن کذا فنزلت الآیۃ“ جیسے یہ آیت ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُّوا حَرْثَكُمْ اَنۡتٰی شِئْنُكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۳)

(عن جَابِرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ الْيَهُودُ تَقُولُ اِذَا جَامَعَهَا مِنْ وَرَائِهَا جَاءَ الْوَلَدُ اَحْوَلُ فَنَزَلَتْ: ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُّوا حَرْثَكُمْ اَنۡتٰی شِئْنُكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۳) (صحیح البخاری: ۲۹/۶، رقم الحديث: ۳۵۲۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کا خیال تھا کہ اگر بیوی کے پاس اس کے پیچھے سے آیا جائے تو جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بھیگتا ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی (اور اس مزمومہ خیال کی تردید کر دی گئی)۔

(۲) سبب نزول میں صریح نہ ہو جیسے صحابی کا کہنا ”أحسب هذه الآیۃ نزلت فی کذا“۔ جیسا کہ اس آیت کے بارے میں ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ۶۵)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصِمَ الزُّبَيْرِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَرَاحِ الْحَزَةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرَحَ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَأَخْتَصِمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ أَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسَلَ الْمَاءَ إِلَى جَارِكِ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوْنَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَحْبَسَ الْمَاءَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ

إِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذَالِكَ۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ۶۵) (صحیح البخاری (۱۱۱/۳) (۲۳۵۹)

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک انصاری کا زبیر رضی اللہ عنہ سے حرہ کے پانی کے اس نالے سے متعلق جس سے وہ کھجور کے درختوں کی آبیاری کرتے تھے تنازعہ ہو گیا انصاری کا کہنا تھا کہ پانی چھوڑ دو۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ دونوں نبی ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لے گئے تو رسول ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سیراب کرنے کے بعد اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دو۔ انصاری ناراض ہو گئے اور کہا کہ (یہ فیصلہ آپ نے اس لئے کیا ہے کہ) وہ آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ تو نبی ﷺ کا چہرہ (غصے کی وجہ سے) سرخ ہو گیا، اور فرمایا کہ اے زبیر سیراب کرنے کے بعد پانی کو اس وقت تک روک لو جب تک وہ (کھیت کے منڈیر) تک نہ پہنچ جائے۔

زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ”والله انی لأحسب هذه الآیۃ نزلت فی ذالک“۔ اللہ کی قسم میرا گمان ہے کہ اس واقعہ پر یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ۶۵) نازل ہوئی۔ تو اسے سبب نزول میں شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں دو بات کا احتمال ہے۔

(أ) اس سے مراد سبب نزول بھی ہو سکتا ہے۔

(ب) اس بات کا احتمال بھی ہے کہ وہ آیت کا حصہ یا اس کی تفسیر ہو۔

دوم: تابعی:

سبب نزول کے باب میں تابعی کا قول اس وقت معتبر ہوگا جب اس کے اندر یہ شرطیں پائی جائیں۔

(۱) تابعی کی عبارت سبب نزول کے باب میں صریح ہو۔



(۲) اس کی سند صحیح ہو۔

(۳) تابعی ان ائمہ تفسیر میں سے ہو جنہوں نے براہ راست صحابہ سے اخذ کیا ہے۔

(۴) تابعی کے اس قول کی دوسرے تابعی کا قول (جس میں یہ جملہ شرط موجود ہوں) تائید کر رہا ہو۔

امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”إذا وقع من تابعي فهو مرفوع أيضا لكنه مرسل فقد يقبل إذا صح السند إليه وكان من أئمة التفسير الآخذين عن الصحابة كمجاهد وعكرمة وسعيد بن جبیر أو اعتضد بمرسل آخر ونحو ذالك“۔ (الإتقان في علوم القرآن للسيوطي) (۹۴/۱) اگر یہ (سبب نزول) تابعی کے ذریعہ آئے تو وہ بھی مرفوع ہوتا ہے لیکن مرسل ہوتا ہے اور اگر اس کی سند صحیح ہو، اور تابعی ان ائمہ تفسیر میں سے ہو جنہوں نے براہ راست صحابہ سے اخذ کیا ہے جیسے مجاہد، عکرمہ، اور سعید بن جبیر وغیرہ، یا کوئی دوسری مرسل اس کی تائید کر رہی ہو تو وہ مقبول ہے۔

(۳) اسباب نزول کی روایات میں اگر اختلاف ہو تو اختیار کی کیا صورت ہوگی۔

اس نقطے کے تحت دو اہم باتوں پر گفتگو مناسب ہے۔

الف: اسباب نزول کے صیغے۔

ب: اگر اسباب نزول میں مختلف روایات ہوں تو کسے اختیار کیا جائے۔

(الف): سبب نزول کے صیغے دو طرح ہوتے ہیں۔

(۱) وہ صیغے جو سبب نزول میں واضح اور صریح ہوتے ہیں۔

وہ صیغے جو سبب نزول میں صریح اور واضح ہوتے ہیں ان کے الفاظ اس طرح ہوتے ہیں، جیسے راوی کا قول:

أ- ”سبب نزول هذه الآية كذا“۔

ب- ”فنزلت الآية“۔

(۲) وہ صیغے جو سبب نزول میں محتمل ہوتے ہیں۔

وہ صیغے جو سبب نزول میں محتمل ہوتے ہیں ان کے الفاظ اس طرح ہوتے ہیں، جیسے راوی کا قول:

أ- ”أحسب هذه الآية نزلت في كذا“۔

ب- ”ما أحسب هذه نزلت إلا في كذا“۔

دوم: اگر اسباب نزول میں مختلف روایات ہوں تو کسے اختیار کیا جائے۔

اسباب نزول کی روایات میں اختلاف کی مختلف صورتیں ہیں -

(۱) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صریح نہ ہوں۔

(۲) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد روایات میں کچھ صریح ہوں جب کہ کچھ محتمل ہوں۔

(۳) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد روایات میں بعض صحیح ہوں اور بعض ضعیف ہوں۔

(۴) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں مگر ان میں ترجیحات کے اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے۔

(۵) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں اور ان میں ترجیحات کے اسباب بھی یکساں ہوں، مگر ان کے مابین جمع ممکن ہو۔

(۶) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں اور ان میں ترجیحات کے اسباب بھی یکساں ہوں، اور ان کے مابین جمع بھی ممکن نہ ہو۔

(۱) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صریح نہ ہوں۔

اگر کسی آیت کے سبب نزول میں کئی روایات وارد ہوں مگر وہ

پیدا ہوگا وہ بھیگا ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی (اور اس مزمومہ خیال کی تردید کر دی گئی۔)

یہ روایت سبیت میں صریح ہے کیونکہ یہ (ف) تعقیبی کے ساتھ وارد ہے اس لئے اسے اختیار کیا جائے گا۔

(۳) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد روایات میں بعض صحیح ہوں اور بعض ضعیف ہوں۔

کسی آیت کے نزول میں اگر دو یا دو سے زیادہ روایات آئی ہوں اور سبھی روایات سبیت میں صریح ہوں لیکن ان میں سے بعض صحیح ہوں اور بعض ضعیف ہیں تو ان میں سے جو روایت صحیح ہے اس کا انتخاب کیا جائے گا جیسے یہ آیات: ﴿وَالضُّحَىٰ، وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ (الضحیٰ: ۳-۱)

عَنْ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جَنْدَبًا يَقُولُ اشْتَكَيْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أَرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَالضُّحَىٰ، وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ (الضحیٰ: ۳-۱) (صحيح البخارى ۱۸۲/۶)، (رقم الحديث: ۳۹۸۳)

حضرت اسود بن قیس سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ کی آنکھ میں شکایت ہو گئی جس کی وجہ سے وہ ایک یا دو رات قیام الیل نہ کر سکے تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی اے محمد میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی۔ ﴿وَالضُّحَىٰ، وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ (الضحیٰ: ۳-۱)

یہ روایت اس آیت کے سبب نزول کو بیان کر رہی ہے اور صحیح بھی ہے۔ جب کہ ایک اور روایت اس کے سبب نزول میں آئی ہے اور وہ یہ ہے ”اَن جَرُوا دَخَلَ الْبَيْتَ وَدَخَلَ تَحْتَ

صریح نہ ہوں تو اس میں سے کسی کو اس وقت تک سبب نزول شمار نہیں کیا جائے گا جب تک کوئی قرینہ نہ مل جائے۔ اگر کوئی قرینہ نہ ملے تو اسے آیت کی تفسیر اور اس کے معانی میں سے شمار کیا جائے گا۔

(۲) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد روایات میں کچھ صریح ہوں جب کہ کچھ محتمل ہوں۔

اگر کسی آیت کی سبب نزول میں دو طرح کی روایات آئی ہوں ایک سبیت میں صریح ہو جبکہ دوسری واضح نہ ہو تو اسے لیں گے جو سبیت میں واضح ہو جیسے یہ آیت ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۳)

اس آیت کے سبب نزول میں دو روایتیں آئی ہیں ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو سبیت میں واضح نہیں ہے اور وہ اس طرح ہے۔ عن ابن عمر قال انما نزلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۳) رخصة في اتیان الدبر (المعجم الأوسط للطبرانی ۲/۳۱۳) (رقم الحديث: ۳۸۴۷)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۳) ”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں ان کے پاس جیسے چاہو آؤ۔“ رسول ﷺ پر عورتوں سے ان کی پیٹھ کی طرف سے مجامعت کی رخصت میں نازل ہوئی ہے۔

جب کہ ایک دوسری روایت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے: عن جابر رضي الله عنه قال كانت اليهود تقول إذا جامعها من ورائها جاء الولد أخول فنزلت ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۳) (صحيح البخارى ۲۹۶/۶)، (رقم الحديث: ۳۵۲۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کا خیال تھا اگر بیوی کے پاس اس کے پیچھے سے آیا جائے تو جو لڑکا



کہتے ہیں۔ (رواہ الطبرانی ، وأم حفص لم أعرفها، دیکھئے: مجمع الزوائد (۲۹۲/۷))

دوم: حفص بن سعد: امام بخاری نے التاریخ الکبیر اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل اور ابن حبان نے الثقات میں صرف ابو نعیم کی طریق سے ذکر کیا اس لئے یہ مجهول ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (السلسلة الضعيفة للالبانی (۳۱۶/۲۴))

(۴) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں مگر ان میں ترجیحات کے اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت کے سبب نزول میں دو روایتیں آتی ہیں اور دونوں سببیت میں صریح ہوتی ہیں اس وقت ان میں سے کسی کو ترجیحی اسباب کی بنا ہی پر اختیار کیا جاسکتا ہے اور ترجیحی اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) روایت کا متقدم یا متاخر ہونا ایسی صورت میں متاخر روایت کو لیا جائے گا۔

(۲) روایت کا صحیح یا ضعیف ہونا ایسی صورت میں صحیح روایت کو لیا جائے گا۔

(۳) راوی واقعہ یا حادثہ میں بذات خود شامل ہو راوی اس واقعہ یا حادثہ میں شامل نہ ہو ایسی صورت میں اس راوی کی روایت کو لیا جائے گا جو راوی واقعہ یا حادثہ میں بذات خود شامل ہو۔

(۴) روایت کرنے والے رواۃ سب کے سب ثقہ ہوں مگر الفاظ کی روایت میں ان کی تعداد کم و بیش ہو ایسی صورت میں ان الفاظ کو لیا جائیگا جس کے رواۃ زیادہ ہوں۔

اس کے علاوہ اور بھی ترجیحی اسباب ہو سکتے ہیں۔

آیت: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الزُّوْحِ قُلِ الزُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الإسراء: ۸۵) کے سبب نزول میں دو روایتیں آئی ہیں:

السريبر ومات فمكث نبى الله صلى الله عليه وسلم أياما لا ينزل عليه الوحى فقال : يا خولة ما حدث فى بيت رسول الله؟ جبريل لا يأتينى فهل حدث فى بيت رسول الله حدث؟ فقلت: والله ما أتى علينا يوم خير من يومنا فأخذ برده فلبسه وخرج فقلت: لو هيات البيت وكنسته فأهويت بالمكنسة تحت السريبر فإذا شىء ثقيل فلم أزل حتى آخر جته فإذا بجرو ميت فأخذته بيدى فألقيته خلف الدار فجاء نبى الله ترعد لحيته وكان إذا أتاه الوحى أخذته الرعدة فقال : يا خولة دثرينى فأنزل الله۔ (المعجم الكبير للطبرانى (۲۴۹/۲۴) رقم الحديث: ۶۳۶)

ایک کتے کا پلا گھر میں گھس گیا اور چار پائی کے نیچے مر گیا جب کئی دن گزر گئے اور وحی نہیں آئی تو رسول ﷺ نے کہا خولہ کیا بات ہے رسول اللہ کے گھر میں کوئی واقعہ درپیش ہوا ہے؟ جبریل نہیں آرہے ہیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم آج کا دن بہت خیر کا دن ہے پھر وہ اپنی چادر لئے اور گھر سے نکل گئے (خولہ کہتی ہیں) میں نے سوچا مجھے گھر صاف کر لینا چاہئے میں جاروب کے ساتھ جھکی ہی تھی کہ میں نے ایک وزنی چیز دیکھا میں نے اسے نکالا تو وہ ایک مرا ہو پلا نکلا میں نے اسے اٹھا کر گھر کے پیچھے پھینک دیا اسی اثنا نبی ﷺ آئے اور ان کی داڑھی ہل رہی تھی اور ان پر جب وحی آتی تو کپکپی طاری ہو جاتی پھر انہوں نے کہا خولہ مجھے کبل اڑھا دو۔ اور اللہ نے آیت نازل کی۔ ﴿وَالضُّحَى، وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ (الضحى: ۱-۳)

گرچہ یہ روایت اس آیت کا سبب نزول بیان کر رہی ہے تاہم اسے نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے۔

(علامہ البانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کی دو وجہ ہے اور دونوں جہالت ہے۔ اول: ام حفص بن سعد ان کا ترجمہ ہمیں نہ مل سکا اور علامہ ہیثمی نے اسی بنا پر اسے معلول قرار دیا ہے

(کہتے ہیں میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور جب وحی نازل ہوگئی تو نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵)

مذکورہ دونوں روایتیں سبب نزول کے بارے نازل ہوئی ہیں مگر ان میں دوسری روایت کو اختیار میں ترجیح دی جائے گی۔ اور اس کے یہ اسباب ہیں۔

(۱) پہلی روایت متقدم ہے کیونکہ اس میں قریش کا ذکر ہے اور قریش مکہ میں تھے اور دوسری روایت متاخر ہے کیونکہ سیاق بتا رہا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

(۲) دوسری روایت کے راوی عبد اللہ بن مسعود ہیں اور واقعہ کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ اس وقت موجود تھے۔

(۳) پہلی روایت سنن الترمذی کی ہے اور وہ صحیح بھی ہے۔ مگر دوسری روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اور صحیح بخاری کی اولیت دوسری کتب حدیث پر امت کے نزدیک جمع علیہ ہے۔

تنبیہ: یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے بارے میں علماء کا خیال ہے یہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں جب یہود نے روح کے متعلق سوال کیا۔ (البرہان فی علوم القرآن للزرکشی: ۳۰/۱)

(۵) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں اور ان میں ترجیحات کے اسباب بھی یکساں ہوں، مگر ان کے مابین جمع ممکن ہو۔

اگر کسی آیت کے نزول میں متعدد روایات ہوں اور سبب ترجیح میں بھی یکساں ہو تو اس وقت دونوں روایتوں میں جمع کی صورت نکالی جائے گی۔ جیسے یہ آیت: ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (النور: ۶)

(۱) عن ابن عباس قال: قالت قریش لیهود أعطونا شیئاً نسأل هذا الرجل فقال سلوه عن الروح قال فسألوه عن الروح فأنزل الله: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵) (سنن الترمذی (۳۰۴/۵) رقم الحدیث: ۳۱۴۰)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کچھ دوجس کے متعلق اس آدمی سے سوال کریں تو انہوں نے کہا ان سے روح کے متعلق دریافت کرو پھر انہوں نے روح کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵) نازل کی۔

(۲) عن عبد الله قال: بينما أنا أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في حرث وهو متكئ على عسيب إذ مر بنفصر من اليهود فقال بعضهم لبعض سلوه عن الروح... فقام إليه بعضهم فسألوه عن الروح قال فأسكت النبي صلى الله عليه وسلم فلم يرد عليه شيئاً فعلمت أنه يوحى إليه قال فقممت مكانى فلما نزل الوحي قال ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵) (صحيح مسلم: ۲۱۵۲/۴) رقم الحديث: ۲۷۹۴

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اشناک میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں چل رہا تھا آپ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لئے ہوئے تھے آپ یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو ان میں سے بعض نے کہا ان (رسول ﷺ) سے روح کے بارے میں دریافت کرو... تو ان میں سے بعض نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق پوچھا (راوی) کہتے ہیں نبی ﷺ خاموش ہو گئے اور انہوں نے کچھ نہ کہا تو مجھے احساس ہو گیا کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے (راوی)



اس آیت کے سبب نزول میں دو واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) ... جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُوهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ الْفُرْآنَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَيْكَ فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُلَا عَنَةِ... (صحيح البخاری (۹۹/۶) رقم الحديث: ۴۷۳۵)

عومیر عجلانی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے آدمی کو دیکھے اور اسے قتل کر دے پھر (قصاصاً) آپ لوگ اسے قتل کر دیں گے یا (بتائیں ایسے شخص کے بارے) وہ کیا کرے؟ تو رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کے بارے میں قرآن نازل کیا ہے اور پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو ملا عنہ کا حکم دے دیا۔

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ هَلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكَ ابْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةُ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْبَيِّنَةُ وَالْأُحَدُّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هَلَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلْيَنْزِلْنِ اللَّهَ مَا يَبْرِي ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جَبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَةٌ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (النور: ۶) (صحيح البخاری (۱۰۰/۶)، رقم الحديث: ۴۷۳۷)

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے شریک بن سحما سے متعلق اپنی بیوی پر نبی

ﷺ کے سامنے تہمت لگائی تو رسول ﷺ نے کہا کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے۔ تو (ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ) نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو دیکھے تو گواہ ڈھونڈے؟ اور نبی ﷺ یہی کہتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے۔ تو حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اللہ تعالیٰ ضرور (ایسی چیز نازل کرے گا) جو مری پیٹھ کو حد سے بری کر دے گی۔ پھر جبریل علیہ السلام آئے اور نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَةٌ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (النور: ۶)

یہاں دونوں روایتوں میں ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے دونوں روایتوں میں جمع کی شکل اختیار کی جائے گی اور وہ اس طرح کہ یہ آیت دو یا دو سے زیادہ اسباب کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جب عومیر عجلانی کا واقعہ پیش آیا اور جب ہلال بن امیہ کا واقعہ درپیش ہوا۔

(۶) کسی آیت کے سبب نزول میں وارد تمام روایات صحیح ہوں اور ان میں ترجیحات کے اسباب بھی یکساں ہوں، اور ان کے مابین جمع بھی ممکن نہ ہو۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آیت کے سبب نزول میں دو روایتیں آتی ہیں اور ان کے مابین ترجیح اور جمع کوئی بھی صورت نہیں نظر آتی ایسے میں مفسر کے لئے بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ کسے اختیار کرے۔ جیسے یہ آیت: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

اس آیت کے سلسلے دو سبب نزول بیان کئے جاتے ہیں

مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت نازل کی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

(۲) عن علی قال: سمعت رجلا یستغفر لأبویہ وھما مشرکان فقلت له ألتستغفر لأبویک وھما مشرکان؟ فقال أو لیس استغفر إبراهیم لأبیہ وھو مشرک؟ فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالْذِّينِ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ۱۱۳) (سنن الترمذی (۲۸۱/۵)، رقم الحدیث: ۳۱۰۱، واللفظ للترمذی، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور علامہ البانی نے بھی اس پر حسن کا حکم لگایا ہے۔ والمستدرک للحاکم (۲/۳۶۵)، رقم الحدیث: ۳۲۸۹، امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ یہ صحیحین کی شرط پر ہے مگر انہوں اس کی تخریج نہیں کی۔ اور امام ذہبی نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔)

جناب علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کر رہا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک والدین کیلئے دعا کر رہے ہو تو اس نے کہا کہ کیا ابرہیم نے اپنے مشرک باپ کے لئے دعا نہیں کیا پھر میں نے نبی ﷺ سے یہ ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

ان دونوں روایتوں میں بعد زانی کی وجہ سے جمع کرنا مشکل ہے اس لئے یہ کہا جائے کہ یہ آیت دومرتبہ نازل ہوئی ہے۔  
ان شاء اللہ جاری ہے۔-----

(١) أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوُفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلَ بْنَ هِشَامٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي طَالِبٍ يَا عَمُّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرَعَّبَ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيَعُودَانِ بَيْنَكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمْتُهُمْ هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا وَاللَّهِ لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أَنُكِّ أَنْتَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ١١٣) (صحيح البخاري: ١/٢٧٦٠)

سعید بن المسیب اپنے والد کے طریق سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں انہوں نے یہ بیان کیا کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت ہوا تو رسول ﷺ ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ پہلے سے موجود ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تاکہ اللہ کے پاس اس بات کی گواہی دوں تو ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا ابوطالب کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر جاؤ گے اللہ کے رسول ﷺ مسلسل کلمہ توحید پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے یہاں تک ابوطالب (کی زبان سے جو) آخری بات نکلی وہ یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہیں اور لا الہ الا اللہ کے کہنے سے انکار کر دیا (اس پر) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں آپ کے لئے اس وقت تک



# عنعنہ کی حقیقت

ابوالمحبوب سید انور شاہ راشدی

یہاں اتصال ہے ہی نہیں، بلکہ انقطاع یقینی ہے، اس لئے کبھی بھی مدلس کے عنعنہ کی قبولیت ورد پر گفتگو نہ کی جاتی، اور نیز متابعات و شواہد بھی کام نہ دیتے۔ محدثین کا یہ اختلاف واضح دلیل ہے کہ عنعنہ نہ تدلیس ہے اور نہ ہی ہر صورت اور ہر وقت اس میں تدلیس مضر ہوتی ہے۔

معاملہ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسا 1 میں گزرا ”عن“، اداات روایت ہے، اس میں اتصال بھی ہے اور انقطاع بھی متوقع ہے جب حقیقت یہ ہے تو پھر ہر مدلس کے عنعنہ کو ہر حال میں ایک پہلو یعنی اتصال کو چھوڑ کر صرف انقطاع پر محمول کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب مدلس کے عنعنہ میں اتصال بھی متوقع ہے اور انقطاع بھی، تو ایسی صورت میں ترجیح کس کو دی جائے گی، اتصال کو یا انقطاع کو؟؟؟ ظاہر ہے جب اتصال بھی، ہو سکتا ہے اور انقطاع بھی متوقع ہے تو کسی ایک بات کو اختیار کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز یا ایسا پیمانہ ہو جسے فیصل بنا کر مدلس کی سند میں اتصال یا انقطاع سمجھا جائے، سو اس کے لئے محدثین کے ہاں فیصل ”غالبیت“ ہے، یہ غالبیت جس پہلو میں ہوگی فیصلہ اسی کے حق میں دے دیا جائے گا، اگر اتصال کے حق میں غالبیت کا پہلو ہوگا تو حکم اتصال کا ہوگا، اور اگر انقطاع کے حق میں غالبیت کا پہلو ہوگا تو فیصلہ انقطاع کا ہی ہوگا، اس غالبیت کا تعین مدلس راوی کے فعل اسقاط

۱۔ عنعنہ صیغۃ الاداء ہے، اس میں اتصال اور انقطاع دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔

۲۔ مدلس کے عنعنہ میں قطعی طور پر تدلیس مضر ہے، گویا مدلس راوی جب بھی عنعنہ سے روایت کرے گا اس کی روایت میں تدلیس ہوتی ہے، یعنی راوی کا حذف ہونا، اس اعتبار سے گویا عنعنہ عین تدلیس ہوا، نہ کہ تدلیس کرنے کا ذریعہ۔۔۔۔۔

ان دو باتوں کی تفصیل:

(۱) اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عنعنہ صیغۃ الاداء ہے، جیسے ”حدثنا و خبرنا و انبانا“ ہے، لیکن ان کے استعمال اور نتیجہ میں فرق ہے، تحدیث اور سماع والے صیغوں میں انقطاع کا شبہ نہیں رہتا، لیکن عنعنہ میں اتصال بھی ممکن ہے اور انقطاع بھی۔

جب عنعنہ میں اتصال اور انقطاع دونوں کا احتمال موجود ہے، تو پھر ۲ نمبر والا پیرایہ از خود ختم ہو جاتا ہے کہ مدلس کا عنعنہ عین تدلیس ہی ہے، اس لئے کہ اگر مدلس کا عنعنہ ہر صورت تدلیس ہی ہے نہ کہ ذریعہ تدلیس تو پھر محدثین کے مابین مدلسین کے عنعنہ کے قبول ورد میں اختلاف ہوتا ہی نہیں۔ اور نہ ہی ان کی درجہ بندی اور مراتب بنانا مناسب ہے، کیوں کہ عنعنہ میں اگر قطعی طور تدلیس ہوتی ہے یا پھر بذات خود عنعنہ تدلیس ہی ہے، تو گویا یہ بات کلیئر ہو گئی کہ

مدرس راوی کی تدلیس (راوی کے حذف کرنے کی صورت) میں ضروری نہیں کہ حذف شدہ راوی ضعیف ہی ہو، بلکہ ضعیف بھی ہو سکتا ہے، ثقہ بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ راوی کے گرانے کی مختلف وجوہات ہیں، لہذا گرانے کے وقت ہر صورت یہ سمجھنا کہ گرا ہوا راوی ضعیف ہی ہے، تو یہ بات درست نہیں، کمالا تخفی، لیکن ہم تمام باتوں سے دستبردار ہوتے ہوئے علی سبیل التزل کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، ”قلیل التدلیس“ راوی نے جتنے دفعہ راوی گرایا ہے، تمام مقامات میں گرا ہوا راوی ضعیف ہی ہے، تو بھی یہ بات ”قلیل التدلیس“ مدلسین کو مضرت نہیں، کیوں کہ ہم یہاں یہ طے کر لیں گے کہ جتنی دفعہ بھی اس راوی نے رواۃ گرائے ہیں، اور وہ سارے کے سارے ضعیف ہی ہیں، اور ان گرے ہوئے رواۃ کی بیان کردہ روایات بھی ضعیف ہی ہیں تو تناسب کے اعتبار سے وہ روایات کم ہی رہیں گی، گویا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ”قلیل التدلیس“ راوی پھر پھر اگر ”ثقة قلیل الخطأ“ او ”صدوق قلیل الخطأ“ کے مقام پر آ گیا، اور ایسے راوی کا حکم بالکل واضح ہے کہ اسکی ہر روایت مقبول ہے جب تک غلطی ثابت نہیں ہو جایا کرتی، لہذا ثوری ہوں یا کوئی اور قلیل التدلیس راوی، اسکی روایات میں اصل صحت ہے، الا کہ ضعف ثابت ہو جائے یا کہیں انقطاع،

هذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب۔

\*\*\*\*\*

\*\*\*

\*

کی ”قلت“ اور ”کثرت“ سے کیا جائے گا، عنعنہ اگر ”کثیر التدلیس“ راوی کا ہے تو غالبیت کا پہلو انقطاع کا ہوگا، اور اگر عنعنہ ”قلیل التدلیس“ کا ہے تو غالبیت کا پہلو عدم انقطاع یعنی اتصال کا ہے، لہذا یہ غالبیت ہی اتصال اور انقطاع پر فیصلہ ہے، اور یہ بات بھی قطعیت کو مستلزم نہیں کہ یقینی طور اتصال یا انقطاع کا حکم لگایا جائے، ہم صرف غالبیت کو اپناتے ہوئے اتصال اور انقطاع کا حکم لگاتے ہیں، نہ کہ کوئی قطعی دلیل اتصال و انقطاع پر ہوتی ہے، چوں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس لئے غالبیت کو مد نظر رکھ کر ہی ہر معاملہ کو چلایا جاتا ہے۔

اب ”کثیر الخطأ“ ”سیئ الحفظ“ راوی کو ہی دیکھ لیں، اس راوی کی روایت کردہ تمام روایات ضعیف اور غلطیوں سے پر نہیں ہوتیں، بلکہ وہ صحیح روایات بھی بیان کرتا ہے، لیکن چوں کہ اس کی روایات میں غالبیت ضعف کی ہے اس لئے حکم ضعف کا لگتا ہے، یہاں بھی یہی صورت حال ہے، غالبیت والے پہلو کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ غالبیت اتصال کی ہے یا انقطاع کی؟ گویا ”کثیر التدلیس“ راوی کے عنعنہ میں غالبیت کا پہلو ”انقطاع“ جب کہ ”قلیل التدلیس“ راوی کے عنعنہ میں غالبیت کا پہلو اتصال کا ہے، اس لئے اول کے عنعنہ میں تدلیس کا شبہ غالب ہوتا ہے، جب کہ دوسرے کے عنعنہ میں اتصال کا پہلو غالب اور انقطاع کا شبہ کم ہوتا ہے، اس ساری تفصیل کے بعد ہم اس طرف آتے ہیں کہ سفیان ثوری قلیل التدلیس ہیں ہزاروں روایات کے راوی ہیں، ان کے عنعنہ میں اتصال کا پہلو غالب جب کہ انقطاع کا پہلو انتہائی نادر ہے، لہذا اتصال کو مقدم اور انقطاع کو رد کیا جائے گا۔

اس کی وضاحت ہم یوں بھی کر سکتے ہیں کہ عام طور پر



# الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی فقہ مالکی کی کتاب ہے

کفایت اللہ سنبلی

تعیین صحابہ و تابعین سے کی ہے۔ یعنی موصوف کی نظر میں ابن عبد البر کی اس کتاب میں مستعمل اہل مدینہ سے نہ صرف صحابہ و تابعین کے دور کا عمل مراد ہے بلکہ صرف صحابہ و تابعین ہی کا عمل مراد ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن عبد البر کی کتاب کے نام میں موجود اہل المدینہ سے یہ اصطلاح مراد ہی نہیں ہے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی مراد کیا ہے وہ واضح کرنے سے پہلے قارئین یہ جان لیں کہ، اہل علم نے عمل اہل مدینہ کے مراتب کو کئی لحاظ سے بیان کیا ہے، سب سے مناسب بیان شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا لگتا ہے جسے بعد کی بعض مالکی کتب میں بیان کیا گیا ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں:

وذلك أن إجماع أهل المدينة على أربع مراتب:  
"المرتبة الأولى" ما جرى مجرى النقل عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، مثل نقلهم لمقدار الصاع والمد؛ و كترك صدقة الخضر اوات والأحباس فهذا مما هو حجة باتفاق العلماء۔۔۔

"المرتبة الثانية" العمل القديم بالمدينة قبل مقتل عثمان بن عفان، فهذا حجة في مذهب مالک۔۔۔

"المرتبة الثالثة" إذا تعارض في المسألة دليلان

بعض لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام ابن عبد البر کی یہ کتاب خاص عمل اہل المدینہ پر لکھی گئی ہے جسے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس اصطلاح میں بھی بعض حضرات نے ایک خاص مرتبہ کو متعین کر دیا ہے کہ اس سے صحابہ و تابعین ہی مراد ہیں۔

کچھ جملے ملاحظہ فرمائیں:

(( کتاب کا اصل عنوان ہی "اہل مدینہ" کی فقہ ہے۔ پوری کتاب اہل مدینہ کے عمل سے بھری پڑی ہے ))  
(اہل مدینہ سے کس دور کے اہل مدینہ مراد ہیں تو اس کی وضاحت خود ابن عبد البر رحمہ اللہ نے مقدمہ میں کر دی ہے کہ اس سے امام مالک کے اسلاف (صحابہ و تابعین) مراد ہیں۔

(( اسی طرح جب "عمل اہل المدینہ" کے اصطلاح کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے صحابہ و تابعین کے علماء اور فضلاء مراد ہوتے ہیں "جس کی صراحت متعدد علماء اور باحثین نے کی ہے ))

ان صاحب نے اور بھی مقامات پر اس سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں۔

ان تمام عبارتوں سے ظاہر ہے کہ ہمارے محترم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ابن عبد البر نے یہ کتاب خاص اصطلاحی عمل اہل مدینہ پر لکھی ہے بلکہ ان تمام عبارتوں میں موصوف نے اہل مدینہ کی

اصطلاحی عمل اہل المدینہ ہی کو بیان کرنے کے لئے، اور اس میں بھی خاص صحابہ و تابعین کے اقوال کو بیان کرنے کے لئے مذکورہ کتاب لکھی ہے؟ نیز اس کتاب میں جہاں بھی انہوں نے اہل المدینہ کا لفظ استعمال کیا ہے کیا وہاں صحابہ و تابعین ہی کو مراد لیا ہے؟؟؟

تو عرض ہے کہ یہ کتاب خاص مصطلح اہل مدینہ پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ خاص مذہب مالکی پر لکھی گئی ہے اور اہل مدینہ سے ان کی اولین مراد امام مالک اور ان کے اصحاب ہی ہیں، ان کے ساتھ وہ دیگر اہل مدینہ کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں نیز بعض مقامات پر اصطلاحی عمل اہل مدینہ پر بھی فرق مراتب کے ساتھ بات کرتے ہیں۔

اس لئے یہ سمجھ لینا اور قارئین کو یہ باور کرانا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ کتاب خاص مصطلح عمل اہل مدینہ پر لکھی ہے سراسر غلط بیانی ہے۔ مزید تفصیل ملاحظہ ہو:

اولاً:

سب سے پہلے کتاب کا نام ہی دیکھ لیتے ہیں، نام کے شروع میں الکافی لفظ موجود ہے یہ لفظ ہی اپنے آپ میں اشارہ کر رہا ہے کہ یہ ایک مخصوص مذہب پر لکھی گئی مختصر کتاب ہے۔

یاد رہے کہ چاروں مذاہب میں الکافی کے نام سے مختصر کتابیں لکھی گئی ہیں جس میں اس مذہب کے فقہ کو مختصراً پیش کیا گیا ہے مثلاً:

الکافی فی الفقہ الحنفی

الکافی فی فقہ اہل المدینہ المالکی

الکافی فی الفقہ الشافعی

الکافی فی فقہ اہل امام احمد

یعنی نام کا پہلا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ یہ ایک خاص فقہی مذہب

کحدیثین و قیاسین جہل اُیہما أرجح وأحدہما یعمل بہ اہل المدینہ، ففیہ نزاع۔۔۔

”المرتبة الرابعة“ فہی العمل المتأخر بالمدینة فہذاہل ہو حجة شرعية یجب اتباعہ أم لا؟ فالذی علیہ أئمة الناس أنه لیس بحجة شرعية۔۔۔ وهو قول المحققین من أصحاب مالک۔۔۔ وربما جعلہ حجة بعض أهل المغرب من أصحابہ۔۔۔ (مجموع الفتاوی، ت ابن قاسم: ۳۰/۳۰۳-۳۱۰)

ہم نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ مراتب کو بہت اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت تفصیل سے مثالوں کے ساتھ اسے واضح کیا ہے تفصیل کیلئے شائقین اصل کتاب میں پوری بحث پڑھ لیں۔

واضح رہے کہ یہ اصطلاح گرچہ مذہب مالکی میں بکثرت مستعمل ہے لیکن یہ مذہب مالکی کا خاصہ نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب بھی اس کا استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے استدلال بھی کرتے ہیں جیسا کہ تفصیل ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل مدینہ بول کر ہمیشہ صرف صحابہ و تابعین ہی مراد نہیں ہوتے ہیں بلکہ متاخرین اہل مدینہ بھی مراد ہوتے ہیں بلکہ بعض تو متاخرین اہل مدینہ کے عمل کو حجت بھی مانتے ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

اس حقیقت کے سامنے آنے کے بعد کیا اس بات کی ذرا بھی گنجائش ہے کہ کسی بھی کتاب میں اہل مدینہ کا حوالہ دیکھ کر جھٹ سے یہ دعویٰ کر لیا جائے کہ اس سے صحابہ و تابعین ہی مراد ہیں؟؟؟

اب آئیے یہ دیکھتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کیا



کی کتاب ہے۔  
ثانیاً:

نے مصطلحہ عمل اہل مدینہ پر کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا یا فقہ مالکی پر کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا ابن عبد البر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

فإن بعض إخواننا من أهل الطلب و العناية  
والرغبة في الزيادة من التعلم سألني أن أجمع له كتابا  
مختصرا في الفقه يجمع المسائل التي هي أصول  
وأهميات لما يبنى عليها من الفروع والبيانات في  
فوائد الأحكام ومعرفة الحلال والحرام يكون  
جامعا مهابدا وكافيا مقربا ومختصرا مبويا يستذكر  
به عند الاشتغال "وما يدرك الإنسان من الملال"،  
ويكفي عن المؤلفات الطوال ويقوم مقام المذاكرة  
عند عدم المدارسة (الكافي في فقه أهل المدينة المالكي  
: ۱۳۶/۱)

ملاحظہ فرمائیں! اور اختصار، اصول، امہات، فروع،  
مہذب اور مؤلفات طوال وغیرہ کی تعبیرات پر غور کریں!  
پوراسیاق چنچ چنچ کر کہہ رہا ہے کہ شاگردوں نے ایک خاص  
مذہب یعنی مذہب مالکی (جو کہ ان کا اور ان کے استاذ کا مذہب تھا  
(پر کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا اور مصطلحہ عمل اہل مدینہ کا دور دور  
تک کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ  
کتاب خاص مذہب مالکی پر لکھی گئی کتاب ہے۔

خامساً:

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کتاب کا پورا نام کیا رکھا ہے وہ  
گذر چکا ہے اب امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کتاب کا جو منہج  
ذکر کیا ہے وہ بھی دیکھ لیں، لکھتے ہیں:

واعتمدت فيه على علم أهل المدينة وسلكت فيه  
مسلك مذهب الإمام أبي عبد الله مالك بن أنس  
رحمه الله لما صح له من جمع مذاهب أسلافه من أهل

اس کتاب کے نام کا ابتدائی لفظ دیکھنے کے بعد اب اس نام  
کا آخری لفظ بھی دیکھ لیں جو کہ پوری صراحت کے ساتھ مالکی  
ہے۔

واضح رہے کہ اس کتاب کا نام صرف الکافی فی فقہ اہل  
المدینہ نہیں ہے جیسا کہ مکتبہ شاملہ میں درج ہے بلکہ پورا نام  
الکافی فی فقہ اہل المدینہ المالکی ہے جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں  
درج ہے۔ مالکی کا لفظ پوری صراحت کے ساتھ بتا رہا ہے کہ یہ  
مذہب مالکی پر لکھی گئی کتاب ہے۔

ثالثاً:

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابن حزم رحمہ اللہ  
اپنے استاذ کی اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولصاحبنا أبي عمر ابن عبد البر المذكور كتب  
لا مثل لها - منها كتابه المسمى بالكافي في الفقه  
على مذهب مالك وأصحابه - (رسائل ابن حزم: ۲/۱۸۰)

ملاحظہ فرمائیں کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کے شاگرد امام  
ابن حزم رحمہ اللہ اپنے استاذ کی اسی کتاب کا نام یہ ذکر کر رہے  
ہیں:

الکافی فی الفقہ علی مذہب مالک وأصحابہ

یہ ایک بتحریر فقیر شاگرد کی شہادت ہے کہ یہ کتاب مذہب مالکی  
پر لکھی گئی ہے نہ کہ خاص مصطلحہ اہل مدینہ پر۔

رابعاً:

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس کتاب کو لکھنے کی جو وجہ  
بتلائی ہے وہ یہ کہ ان کے شاگردوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا،  
اب خود ابن عبد البر رحمہ اللہ کا بیان دیکھئے کہ ان کے شاگردوں

اہل مدینہ کا اطلاق کر رہے ہیں۔

کیا یہ واضح دلیل نہیں ہے کہ اس کتاب میں امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کا کئی لحاظ سے اطلاق کیا ہے نہ کہ خاص مصطلح عمل اہل مدینہ پر ہی کتاب لکھی ہے؟  
سابعاً:

صرف یہی نہیں بلکہ اسی کتاب میں متعدد مقامات پر امام ابن عبد البر رحمہ اللہ امام مالک کے صرف شاگردوں کو بھی اہل مدینہ کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں مثلاً:  
ایک مقام پر کہا:

ما ذكره إسماعيل في طواف الإفاضة هو قول  
مالك عند أهل المدينة۔ (الكافي في فقه أهل المدينة المالكي  
: ۳۶۰/۱)

ایک اور مقام پر کہا:

وروى أهل المدينة عن مالك۔ (الكافي في فقه أهل  
المدينة المالكي: ۳۶۸/۱)  
ایک اور مقام پر کہا:

وعلى هذا أكثر علماء أهل المدينة من أصحاب  
مالك وغيرهم۔ (الكافي في فقه أهل المدينة المالكي: ۵۲۸)  
ثامناً:

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بعض جگہ اہل مدینہ کا قول  
ذکر کر کے جب ان میں سے بعض کے ناموں کی صراحت کی  
ہے تو کسی صحابی یا تابعی کا نام ذکر کرنے کے بجائے امام مالک  
کے شاگردوں میں سے کسی کا ذکر کیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے  
ہیں:

وقالت طائفة من أهل المدينة وغيرهم منهم عبد  
الملك بن عبد العزيز بل يرجع نصف المهر إلى الإبن۔  
(الكافي في فقه أهل المدينة المالكي: ۵۳۰/۲)

بلده مع حسن الاختيار وضبط الآثار فأثبت فيه بما لا  
يسع جهله لمن أحب أن يسم بالعلم نفسه، واقتطعه من  
كتب المالكيين ومذهب المدنيين واقتصرت على  
الأصح علما والأوثق نقلا فعولت منها على سبعة قوانين  
۔ دون ما سواها وهي الموطأ، والمدونة وكتاب ابن عبد  
الحكم والمبسوط لإسماعيل القاضي والحاوي لأبي  
الفرج، ومختصر أبي مصعب، وموطأ ابن وهب "۔ وفيه  
من كتاب ابن الموازي ومختصر الوقار ومن العتبة  
والواضحة ببقية صالحة۔ (الكافي في فقه أهل المدينة المالكي  
: ۱۳۸/۱)

ملاحظہ کریں کہ اہل مدینہ کے ذکر کرنے کے بعد پوری  
صراحت کے ساتھ امام مالک کے مسلک منہج کو ذکر کیا ہے یعنی  
وہ امام مالک کے مذہب اور انہیں کی جمع کردہ فقہ کا ذکر کریں  
گے۔ اور پھر سب سے اہم چیز یہ دیکھیں کہ یہ مواد جمع کرنے  
کے لئے انہوں نے جن مراجع کا حوالہ دیا ہے ان میں صرف اور  
صرف مالکیہ ہی کی کتب ہیں۔

کیا یہ واضح دلیل نہیں ہے کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ اس  
کتاب میں مذہب مالکی ہی کو بیان کریں گے نہ کہ خاص مصطلح  
اہل مدینہ پر بحث کریں گے؟  
سادساً:

کتاب کے نام، سبب تالیف، منہج تالیف اور مراجع تالیف  
کے بعد اب کتاب کھول کر دیکھئے، کتاب کا سب سے پہلا جملہ  
یہ ہے:

الذى يوجب الوضوء عند أهل المدينة مالك  
وأصحابه أربعة أنواع۔ (الكافي في فقه أهل المدينة المالكي:  
: ۱۳۵/۱)

ملاحظہ فرمائیں کہ شروعات ہی اہل مدینہ کے لفظ سے  
کر رہے ہیں اور یہاں صرف امام مالک اور ان کے اصحاب پر



عبدالملک بن عبدالعزیز امام مالک کے شاگرد ہیں۔

تاسعاً:

ایک مقام پر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام مالک کا ایک فتویٰ پیش کرنے کے بعد اہل مدینہ بلکہ دیگر علماء کے فتویٰ کو اس کے خلاف بتلایا ہے لکھتے ہیں:

مالک یجیز لمن نذر صوم اليوم الثالث من أيام التشريق۔۔ وأما غير مالک من علماء أهل المدينة وغيرهم فإنهم يأبون من صيام ذلك اليوم في كل حال (الكافي في فقه أهل المدينة المالکی: ۳۴۹/۱)

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہاں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کا ذکر مصطلحہ عمل اہل مدینہ کے طور پر کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو امام مالک پر گرفت کیوں نہ کی جیسا کہ اگلے حوالے میں انہیں نے گرفت کی ہے، ملاحظہ کریں۔

عاشراً:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بعض جگہ پر مصطلحہ عمل اہل مدینہ کی حیثیت سے بھی اہل مدینہ کا حوالہ دیا ہے لیکن ایسے مقام پر ان کا اسلوب کیا ہے وہ بھی دیکھیں:

قال مالک وأصحابه يقضی باليمين مع الشاهد في كل البلاد ويحمل الناس عليه ولا يجوز خلاف ما قالوه من ذلك لتواتر الآثار به عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن السلف والخلف من أهل المدينة والعمل المستفيض عندهم بذلك وقد ذكرنا الآثار في كتاب التمهيد۔ (الكافي في فقه أهل المدينة المالکی: ۲/ ۹۰۹)

ملاحظہ کریں کہ یہاں پر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مصطلحہ عمل اہل مدینہ کی بات کی، اور پوری وضاحت کر دی کہ، شروع سے اہل مدینہ کا یہی عمل رہا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے اختلاف کو ناجائز بتلایا ہے۔

لیکن کیا اس کتاب میں جہاں جہاں بھی امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کے عمل کا حوالہ دیا ہے وہاں اس سے اختلاف کو ناجائز بھی کہا ہے؟ ہرگز نہیں!

یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے کہ اس کتاب میں ہر جگہ امام ابن عبدالبر اہل مدینہ سے مصطلحہ عمل اہل مدینہ کو مراد نہیں لیتے۔

فائدہ:

یہاں پر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کے عمل پر بات کرتے ہوئے اس کے مراجع کے لئے اپنی کتاب التمهيد کا حوالہ دیا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اس کتاب میں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ہر بات صرف انہیں کتابوں کو سامنے رکھ کر ذکر کی ہے جن کا ذکر شروع میں بطور مراجع کیا ہے بلکہ کتاب میں بعض مقامات پر انہوں نے اپنی دیگر معلومات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی یہ کتاب خاص مصطلحہ عمل اہل مدینہ پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ خاص مذہب مالکی پر لکھی گئی ہے۔

لہذا اس کتاب میں موجود لفظ اہل مدینہ کو نہ صرف مصطلحہ عمل اہل مدینہ کے معنی میں لینا بلکہ اس سے صحابہ و تابعین ہی کے اقوال کو مراد لینا بہت بڑی بھول ہے۔

\*\*\*  
\*\*  
\*

# کرب و الم سے سسکتی انسانیت کا مداوا اسلام

ڈاکٹر خورشید اشرف اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی قاہرہ یونیورسٹی مصر

ہے، یہاں تک کہ عیش و آرام کے ہر طرح کے ساز و سامان کی فراوانی اور بہتات کے باوجود پوری دنیا حرص و آز اور طمع و لالچ کی بھٹی میں جل رہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ زرطلبی و شکم پروری اور مادیت نے ہر طرف کرب و اضطراب، بے چینی و بے اطمینانی اور حیرت و پریشانی کا زہر گھول دیا ہے۔

اس پر فریب اور خطرناک ماحول میں پوری دنیا امن کی تلاش میں سرگرداں ہے، دھرتی سلامتی کی متلاشی ہے، انسانیت سسک رہی ہے، چیخ رہی ہے پکار رہی ہے، اور یہ سوال ہر کس و ناکس کے دل و دماغ میں گردش کر رہا ہے کہ امن ملے تو کہاں ملے اور کیسے ملے، اور اس خطرناک مرض کا علاج کیسے ہو؟

مختلف ممالک کے لوگوں نے امن و سکون اور راحت و خوشحالی کی تلاش میں گزشتہ صدیوں میں کمیونزم و شوشلزم اور کپٹلزم و لبرلزم کو آزمایا، مگر انکی مصیبت و پریشانی دو چند ہو گئی، اور یہ تمام انظمہ حالات کا رخ موڑنے میں ناکام ہو گئے، کیونکہ ان نظاموں میں کھانے پینے اور عیش کرنے کے سوا انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے، یہاں ابن آدم انسانی جسم کا مالک تو ہے مگر وہ روحانیت سے بالکل عاری ہے۔

اسکے برعکس اسلام میں زندگی کا مقصد بالکل واضح ہے، اسکی ہر تعلیم انسان کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے ہے، کیونکہ وہ اس ذات پاک کا بنایا ہوا دین ہے جو آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”إن

آج انسانیت تاریخ کے سنگین اور نازک دور سے گزر رہی ہے، قتل و خونریزی، بدامنی و فساد، ظلم و نا انصافی، جبروت و بربریت، بے حیائی اور سماجی نابرابری نے ناسور کی صورت اختیار کر لی ہے، اس وقت دنیا کے ماحول پر عسکریت کا غلبہ ہے، انس و محبت کے خمیر سے پیدا کیا گیا انسان درندہ صفت بن گیا ہے، اولاد آدم ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بے قرار ہیں، امیر لوگ، غریبوں بے بسوں اور لاچاروں کے خون و پسینے کا کاروبار کرنے لگے ہیں، اور اسی سے اپنی زندگی کی عالیشان عمارت کھڑی کرتے ہیں، خواہش نفس کی پیروی نے نیکی اور بدی کی پہچان بدل دی ہے، خود غرضی نے انسانیت کی قدریں پامال کر دی ہیں، معیار زندگی بلند کرنے کی ہوس نے لوگوں کو بد عنوانی کے جال میں پھنسا دیا ہے۔

اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اب تو نظام سیاست بیمار ہو چکی ہے، انتظامیہ کو روگ لگ گیا ہے، معاشی نظام مرض کا شکار ہے، عدلیہ کی ایمانداری کگار پر ہے، قوانین بے بس ہو گئے ہیں، انسانی اور اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں، چنگیزیت اور ٹلریت عروج پر ہے، ظلم و جبر کا دور دورہ ہے، استحصال اور استغلال کی ہوا چل رہی ہے، اقوام عالم کی باگ ڈور ظالموں اور جابروں کے ہاتھ میں ہے، ظلم اور نا انصافی کو بڑھاوا مل رہا ہے، علاقائی، ملکی اور عالمی پیمانے پر انسانیت تضاد کا شکار ہے، مفاد پرستی اور خود غرضی کے سیل رواں نے ہر انسان میں بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا



تمام انسانوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر ایک مخلوق کے لئے ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”سات طرح کے آدمی ہوں گے۔ جن کو اللہ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اول انصاف کرنے والا بادشاہ“۔۔۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

تاریخ اسلام یہ شہادت دیتی ہے کہ اسلام نے سماجی و معاشی اعتبار سے کمزور انسان کی ہمیشہ نگہبانی کی ہے، اور اخلاقی اعتبار سے انسانیت سے دور انسان کی رہنمائی کی ہے، اور یہ اسلام ہی کی شان ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربار رسالت سے فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ پاتا ہے، اور زرخیز غلام کے بیٹے کی شادی سید البشر کی پھوپھی زاد بہن سے ہوتی ہے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ یہ عظیم انسانی منشور پیش کرتے ہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

حدیث میں آیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور پہلو میں رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ (الصحيحه: ۱۲۹)، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کمزوروں، ضرورتمندوں، بیواؤں، غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری اور مدد کے لئے دوڑ بھاگ کرنے والا آدمی راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے درجہ میں ہے اور ثواب میں اس شخص کے برابر ہے جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات نفلوں میں گزارتا ہو، (صحیح البخاری (۲۲/۷۳) ۵۳۵۳) اخلاق حسنہ کے بارے میں ارشاد رسول ہے: قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن اچھے اخلاق کا ہوگا، (سنن أبي داؤد (۱۷۷/۷) ۴۷۹۹، و إسناده صحيح) آپ نے مزید فرمایا: لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔ (قضاء الحوائج لابن

الدين عند الله الإسلام“ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگوں کو اکٹھا کر کے محض ایک عقیدے کی بنا پر انہیں ایک امت بنا سکتا ہے، اسلام امن و شانتی، رحمت و سلامتی، اخوت و محبت، ہمدردی و بھائی چارگی اور مروت و رواداری کا مذہب ہے، اسلام نے ہمیشہ بھید بھاؤ، اونچ نیچ اور تعصب کی مذمت کی ہے، اور مساوات انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیا ہے، جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حقدار ہوتا ہے۔

اسلام کثادہ قلبی، وسعت ظرفی اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی تعلیم دیتا ہے، جس کے پہلو میں تنگ دل اور سکتا ہوا جگر ہو اور جو اپنی سوچ اور خیالات کو محدود رکھتا ہو، وہ اسلام کی فکر اور اسکی تعلیمات سے حقیقت میں نا آشنا ہے۔

اسلام اپنے متبعین کو کثادہ دل اور وسیع ذہن رکھنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر ایک سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسکے قول و عمل اور سلوک و کردار سے یہ پتہ چلے کہ اسکے سینے میں دنیا سے بھی زیادہ وسعت ہے، کیونکہ ایک مسلمان صرف اپنی ذات کیلئے نہیں سوچتا بلکہ ہر انسان اور ہر قوم کی ہدایت کے لیے بے چین رہتا ہے، اور جو دین پوری دنیا اور ساری اقوام کی ہدایت کے لیے آیا ہو اور جس کا مقصد پوری کائنات اور ساری انسانیت کی نجات ہو، کیا وہ مذہبی، لسانی، ملکی، صوبائی، علاقائی اور خاندانی بنیاد پر تعصب اور تنگ نظری کی اجازت دے سکتا ہے۔

نہیں ہرگز نہیں، سلام کا ہر حکم عدل و انصاف پر مبنی ہے، اسلام نے ظلم و زیادتی، وحشت و بربریت، خوف و دہشت اور اخلاق حسنہ کو بگاڑنے والی اور انسانیت کے لئے ہر مضر چیز کی مخالفت کی ہے، اور اپنے متبعین کو اس سے بچنے کی تلقین کی ہے اور ہر معاملہ میں عدل و انصاف کی بڑی تاکید کی ہے۔

اسلام کا عدل و انصاف صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ

أبي الدنيا: (۵۷۳/۲) وحسن اسنادہ الالباني في سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۹۰۶

اسلام سہولت اور آسانی کا دین ہے، وہ زندگی کے تمام امور میں حرج، قید و بند اور دقتوں کو پسند نہیں کرتا، اسلام تہذیب و تمدن اور ترقی کے گوشوں کو اپنے ماننے والوں کی عقلوں پر بند نہیں کرتا، جائز تجارت اور سرمایہ کاری کے صحیح راستوں پر پہرے نہیں بٹھاتا، نہ ہی صنعت و حرفت اور کاشتکاری میں امتیاز حاصل کرنے سے منع کرتا ہے، بلکہ ان کاموں کو دین میں کامیابی کا ذریعہ اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کے حصول کا سبب مانتا ہے۔

اسلام سچے اور امانت دار تاجر کی کھل کر حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کا شمار انبیاء کے زمرے میں کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين و الشهداء يوم القيامة“۔ (صحیح الترغیب والترہیب) (۳۲۲/۲) سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، اسلام یہ سکھاتا ہے کہ انسان کی سب سے بہتر کمائی اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔

اسی طرح اسلام عقل انسانی کو بدعت کی بیہودہ روایات، ضلالت و گمراہی کی بے سود خرافات اور ہر قسم کے وہم و گمان اور ظن و تخمین سے پاک کرتا ہے، اپنی تمام سزاؤں، جملہ عقوبات اور سارے احکام میں عدل و قسط اور انصاف کا علمبردار ہے۔

یہ ایسا دین ہے جو جان و مال کا احترام سکھاتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے، اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی مرضی اور خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں، ارشاد خداوندی ہے: ”ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل“۔ (بقرہ: ۱۸۸) ”اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ“۔

یہ ایسا دین ہے جو ہر زمانے اور ہر خطے کے لئے قابل قبول

ہے، جہاں کہیں اور جن لوگوں نے اس کی تعلیمات کو اپنایا، اس کے احکام کو حرز جاں بنایا، اس کے نظام کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا، اس کی مقررہ حدود اور عائد کردہ پابندیوں سے اپنے آپ کو آگے نہ بڑھنے دیا، سعادت اور نیک بختی نے بڑھ کر ان کے قدم چومے، بغاوت، سرکشی اور ظلم و زیادتی کا ان کے اندر شائبہ تک نہ پایا گیا۔

اس دین کو لے کر جو بھی اٹھا، میر کارواں بنا، بستیاں خوشحال اور خلق خدا شاد کام ہوئی، لیکن جس نے منہ موڑا گنہگار اور تباہی کے گڑھے میں سر کے بل جا گرا۔

یہ ہے اسلام کا عالمگیر عدل و انصاف، آزادی اور رواداری جو آج تک دنیا کے کسی ملک، سماج اور قوم میں نہیں پائی جاتی۔

لیکن افسوس جو لوگ اقوام متحدہ کو یہ غمال کر کے اور اس کو ایک انگوٹھا چھاپ مشین بنا کر ہر طرف بد امنی، معاشی بحران، اور ظلم و ستم پھیلا رہے ہیں، جو سود خوری، زنا کاری، شراب نوشی، میں ڈوبے ہوئے ہیں، جو پوری دنیا میں وحشیانہ پن، فحاشی، بے حیائی، عریانییت اور اباحت کو بڑھاوا دینے کے لئے کوشاں ہیں، آج وہ اپنے خود ساختہ نظریات و قوانین کو خوشنما بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، معاشرتی زندگی میں مغربی ننگے پن کو اپنانے کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں، پانی کو آگ اور آگ کو ٹھنڈے اور پیٹھے شربت کی شکل میں دنیا کے سامنے لا رہے ہیں، اپنے تمام وسائل و ذرائع سے اسلام کو ایک انتہا پسند، قدامت پرست اور دہشت گرد مذہب ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، سیاسی، اقتصادی و سماجی استحصال کے ذریعہ مسلمانان عالم کے روح و بدن اور جسم و ضمیر کو آہنی شکنجوں میں جکڑ کر انہیں تہذیب و تمدن اور آزادی کے پرفریب جال میں اسیر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور بڑی چابکدستی کے ساتھ مسلمانوں کو دین سے برگشتہ اور ان کے اندر ذہنی ارتداد کا رجحان پیدا کرنے



واستقلال، عدل وانصاف، کارکردگی، فرض شناسی، محنت و مشقت اور تعلیم کے ذریعہ وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

آج امت مسلمہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے، کوئی بھی مسلمان ظلم و جبر، جھوٹ، خیانت، فریب کاری اور کام چوری کا مرتکب نہ ہو، ہر مومن صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت و شفقت، ہمدردی و غمگساری، فیاضی و بہادری اور اخلاق و تعظیم کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسرے لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آئیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں حضرت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی میں لگ جائیں، وہ اللہ کے سچے دین کا حقیقی داعی بن جائے، وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے، جو جہاں بھی جائے اس کے ارد گرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ کی کرنوں سے جگمگانے لگے، اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بود و باش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں آیا کرتی تھی، وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائے، وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر ﷺ کی آواز بن جائے، اسے اپنے مسلمان ہونے پر شکر اور فخر دونوں ہو اور اس پر نظر پڑے تو اللہ یاد آجائے۔

☆☆☆

☆

کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

آج ملک و بیرون ملک جب بھی کوئی حادثہ ہوتا ہے تو تحقیق و تفتیش سے پہلے ہر خبر بی کاروائی کو مسلمانوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، اور پوری امت مسلمہ کو ہراساں اور پریشان کرنے کی سازشیں شروع ہو جاتی ہیں، اور عوام بہت تیزی کے ساتھ ان کے جھانسنے میں آجاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان کی عقل میں فتور پڑ گیا ہے، یا لوگ مسلمانوں کی دشمنی میں اندھے بن گئے ہیں۔

ایک طرف یہ حالت زار ہے اور دوسری طرف آج پھر سستی انسانیت اسلام کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھ رہی ہے، اور انصاف پسند لوگ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی تھا جسکی تعلیمات و احکامات کی بدولت ایک ایسا سماج و معاشرہ تشکیل پایا جو تاریخ انسانی کا سب سے زیادہ باکمال اور شرف سے بھرپور سماج و معاشرہ تھا، اور نبی اکرم ﷺ نے اس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوار حل نکالا کہ ایک لڑنے جھگڑنے والی اور برائیوں میں لت پت قوم میں الفت و موانست پیدا کر کے ایک مرکز پر جمع کر دیا، اور اس طرح انسانیت نے ایک طویل عرصے تک زمانے کی چکی میں پس کر اور اتھاہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار کر تھک جانے کے بعد پہلی بار سکھ اور چین کا سانس لیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اسلام ہی وہ واحد چراغ ہے جو دنیا کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل سکتا ہے، تو اس چراغ کی لو بڑھانے کا فریضہ کون انجام دے؟

اس سوال کا سیدھا جواب یہ ہے کہ جو شخص بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر اس فریضہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، امت اسلامیہ کے ہر فرد پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے، عفو و درگزر، صبر

## مسلمانوں کے ناخوشگوار باہمی تعلقات۔ اسباب و علاج

ابوالبلیان رفعت سلفی

رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ الحجرات: ۱۰)

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّ فَاتًا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (سورۃ الحجرات: ۹)

انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا، اگر آپ عبداللہ بن ابی (منافق) کے یہاں تشریف لے چلتے تو بہتر تھا۔ آپ ﷺ اس کے یہاں ایک گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم پیدل آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جدھر سے آپ ﷺ گزر رہے تھے وہ شور زمین تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا ذرا آپ دور ہی رہیے آپ کے گدھے کی بونے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے۔ اس پر ایک انصاری صحابی بولے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے۔ عبداللہ

محترم قارئین! اسلام اپنے ماننے والوں کو باہم الفت و محبت اور ایثار و ہمدردی کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس میں دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے دونوں جہانوں کی سعادت و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ جب تک مسلمان باہم مل جل کر محبت و شفقت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، اللہ کی رحمتوں اور عنایتوں کی برکھا ان پر برستی رہتی ہے، اور جیسے ہی مسلمانوں کے درمیان بغض و حسد، کینہ و کپٹ اور عداوت و دشمنی کی وبا پھیلتی ہے، مسلمان اللہ کی رحمت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں، اور ان کا مقام و مرتبہ اور جاہ و حشم ان سے چھین لیا جاتا ہے۔

دور حاضر کے مسلمانوں کے باہمی تعلقات اتنے ناخوشگوار اور افسوسناک ہو چکے ہیں، کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے بدظن، بدگمان اور بے زار نظر آتا ہے، جسکی وجہ سے آج دنیا میں مسلمانوں کی کوئی وقعت اور اہمیت باقی نہیں رہی، میں نے اپنے اس مضمون میں مسلمانوں کے ناخوشگوار تعلقات اور اس کے اسباب و علاج کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

### خوشگوار تعلقات کی اہمیت:

۱۔ تمام مسلمان آپس میں دینی بھائی ہیں: اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کر دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے



عَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى"۔ "نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومنوں کی مثال ان کی دوستی، ہمدردی اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی (یعنی سب مومن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں جب کوئی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا بدن بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۶)

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الَّذِينَ التَّصِيحَةُ فَلَنَّا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا نَمَّةَ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ"۔ "تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے"۔ ہم نے کہا: کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی"۔ (صحیح مسلم: ۵۵)

۳۔ مسلمان آپس میں اپنے دلوں کو ایک دوسرے کے لئے صاف رکھنے کے لئے اللہ سے خصوصی دعائیں مانگتے ہیں: فرمان الہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ "وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمان داروں کے لئے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے"۔ (سورۃ الحشر: ۱۰)

۴۔ مسلمانوں کے دلوں میں باہمی محبت دین اسلام کے

(منافق) کی طرف سے اس کی قوم کا ایک شخص اس صحابی کی اس بات پر غصہ ہو گیا اور اس نے صحابی کو برا بھلا کہا۔ پھر دونوں طرف سے دونوں کے حمایتی مشتعل ہو گئے اور ہاتھ پائی، چھڑی اور جوتے تک نوبت پہنچ گئی۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔ "وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا"۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو"۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹۱)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھایا"۔ (صحیح بخاری: ۳۸۱)

۲۔ مسلمان باہم انتہائی رحم دل ہوتے ہیں: فرمان الہی ہے: "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ"۔ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔ (سورۃ الفتح: ۲۹)

فرمان الہی ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ "مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں، وہ بھائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے"۔ (سورۃ التوبہ: ۷۱)

ذریعہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔“ (سورۃ الانفال: ۶۳)

۵۔ مسلمان اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے: عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ“۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (مکمل) مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبْغَضْكُمْ عَلَىٰ بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَىٰ هَاهُنَا «وَيُشِيرُ إِلَىٰ صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ» بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِزُّهُ“۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، دھوکے بازی مت کرو، بغض مت رکھو، دشمنی مت کرو، کوئی تم میں سے دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کی مدد کرنا چھوڑے، نہ اس کو حقیر جانے، تقویٰ اور پرہیزگاری یہاں ہے۔“

اور اشارہ کیا آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار (یعنی ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا جب تک سینہ اس کا صاف نہ ہو) کافی ہے آدمی کو یہ برائی کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت و آبرو۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

### ناخوشگوار تعلقات کے نقصانات:

۱۔ کمزوری و بزدلی: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (سورۃ الانفال: ۴۶)

۲۔ اللہ کی مغفرت سے محرومی: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحَاءٌ، فَيَقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّىٰ يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّىٰ يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّىٰ يَصْطَلِحَا“۔ ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پیر اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کی مغفرت کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا، اس بندے کے سوا جس کی اپنے بھائی کے ساتھ عداوت ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے: ان کے معاملے کو ٹال دو حتیٰ کہ صلح کر لیں، ان کے معاملے کو ٹال دو حتیٰ کہ صلح کر لیں۔ ان کے معاملے کو ٹال دو حتیٰ کہ صلح کر لیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۶۵)

۳۔ ذہنی فیشن اور بے قراری: جماعت اور ساتھیوں سے الگ رہنے یا ان کے بائیکاٹ کر دینے کی وجہ سے انسانی زندگی



رہتے تھے لیکن میرے اندر ہمت تھی کہ میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا لیکن مجھ سے بولتا کوئی نہ تھا۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، آپ کو سلام کرتا، جب آپ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے، میں اس کی جستجو میں لگا رہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کے مبارک ہونٹ ہلے یا نہیں، پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کنکھیوں سے دیکھتا رہتا جب میں اپنی نماز میں مشغول ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ میری طرف دیکھتے لیکن جونہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ رخ مبارک پھیر لیتے۔ آخر جب اس طرح لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو میں (ایک دن) ابوقنادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ میرے چچا زاد بھائی تھے اور مجھے ان سے بہت گہرا تعلق تھا، میں نے انہیں سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا، ابوقنادہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ اور اس کے رسول سے مجھے کتنی محبت ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا اللہ کی قسم دے کر لیکن اب بھی وہ خاموش تھے، پھر میں نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا۔ اس مرتبہ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ اس پر میرے آنسو پھوٹ پڑے۔ میں واپس چلا آیا، بائیکاٹ کے پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو رسول اللہ ﷺ کے ایلچی میرے پاس آئے اور کہا کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا میں اسے طلاق دے دوں یا پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں صرف ان سے جدا ہو، ان کے قریب نہ جاؤ میرے دونوں ساتھیوں کو (جنہوں نے میری طرح معذرت کی تھی) بھی یہی حکم آپ نے بھیجا تھا۔ میں نے

بے حساب مال و دولت اور عمدہ و عالی شان مکان کے باوجود ذہنی الجھن اور ٹینشن سے بھر جاتی ہے، کیونکہ انسان انس سے ہے جو محبت و ہمدردی اور انسیت چاہتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ”اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دو بھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“ (سورۃ التوبہ: ۱۱۸)

مذکورہ آیت کریمہ میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک، اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان تینوں صحابہ کرام کا غزوہ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے پچاس دنوں کے لئے مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، نہ ان سے کوئی سلام کرتا، نہ ان کے احوال دریافت کرتا، ان کی زندگی بہت مشکل ہو گئی تھی، اور ٹینشن سے بھر گئی تھی۔

چنانچہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خود بائیکاٹ کے بعد اپنی الجھن اور ٹینشن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ہم سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا، جو لوگ غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف ہم تین سے لوگ الگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ ہم سے ساری دنیا بدل گئی ہے۔ ہمارا اس دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے، میرے دو ساتھیوں نے تو اپنے گھروں سے نکلتا ہی چھوڑ دیا، بس روتے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں آواز دیتے ہیں کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اسی طرح روئے زمین میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۴۸۵)

علاج: اگر ہم اپنے ایمان اور عمل کی اصلاح کر لیں تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں اپنا بھی محبوب بنا لے گا اور اپنے محبوب بندوں کے دلوں میں بھی ہماری محبت پیدا کر دے گا۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ ”بیشک جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا۔“ (سورۃ مریم: ۹۶)

مشہور تابعی قتادہ رحمہ اللہ ”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والے اہل ایمان کے لئے مومنوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔

اور ہرم بن حیان فرماتے ہیں: ”ما أقبل عبد بقلبه إلى الله عز وجل إلا أقبل الله عز وجل بقلوب أهل الإيمان إليه حتى يورثه مودتهم ورحمتهم“۔ بندہ جب اپنے دل سے اللہ عز وجل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل فرما دیتا ہے، اور تمام اہل ایمان کے دلوں میں اس بندہ سے متعلق محبت اور رحمت پیدا کر دیتا ہے۔ (تفسیر التعلیٰ ج: ۶، ص: ۲۳۳)

دوسرا سبب: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی: مسلمانوں کے باہمی انتشار کا ایک اہم سبب اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرامین کی خلاف ورزی ہے۔ ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

ابن یسوی سے کہا کہ اب اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ (صحیح بخاری: ۴۴۱۸)

۴۔ جنت میں داخلہ سے محرومی: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ“۔ ”جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا رشتہ داری کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (صحیح مسلم: ۶۵۲۰)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ مذکورہ حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے کتنے واضح الفاظ میں رشتہ داری توڑنے والے کو جہنمی قرار دیا ہے، اگر اس حدیث رسول پر ہمیں یقین ہو جائے کہ ہم اللہ کی کتنی بھی عبادت و بندگی کر لیں لیکن اپنے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں کمی و کوتاہی کی وجہ سے اللہ ہمیں جہنم میں داخل کر دے گا تو یقیناً ہم سب اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے ضرور بن جائیں گے، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

### اسباب و علاج:

مسلمانوں کے باہمی ناخوشگوار تعلقات کے بہت سارے اسباب ہیں اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے ان میں سے چند اہم اسباب اور ان کا علاج حسب ذیل ہے:

پہلا سبب: ایمان و عمل کی کمزوری۔ جب کوئی مسلمان ایمان اور عمل میں کمزور ہو جاتا ہے تو اللہ کی نظر میں مغضوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی نظر میں مغضوب ہو جاتا ہے تو دنیا کے لوگوں کی نظروں میں بھی مغضوب ہو جاتا ہے، دنیا کے لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اس طرح آہستہ آہستہ پورے مسلم سماج میں مسلمانوں کے آپسی تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا



فسادی انسان مالدار بن جائے تو اکثر لوگ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے باہمی تعلقات دن بدن ناخوشگوار ہوتے جا رہے ہیں۔

بقول شاعر:

جن کے آنگن میں امیری کا شجر لگتا ہے

ان کا ہر عیب زمانے کو ہنر لگتا ہے

علاج: یہ ہے کہ سارے مسلمان آپس میں صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں یہی ایمان کا تقاضہ بھی ہے، قرآن و سنت میں اس کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغِيْطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشَّهَدَاءُ“۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: میری عظمت و بزرگی کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن نور (روشنی) کے ایسے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں“۔ (سنن الترمذی: ۲۳۹۰۔ صحیحہ الالبانی)

اللہ کے لئے محبت اور دشمنی کرنے والے قیامت کے دن عرش الہی کے سایہ میں ہوں گے۔

”وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ“۔  
”دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی (اللہ کی محبت ہوتی ہے)۔“  
(صحیح بخاری: ۶۶۰)

ان شاء اللہ جاری ہے۔۔۔

بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ”وَمَا لَمْ تَحْكُمُ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ، وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ، إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ“۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ان کے حکمراں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، اور اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتا ہے“۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۹۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: ۱۰۶)

علاج: اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے باہمی اختلافات ختم ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں الفت و محبت کی فضا قائم کر دے تو ہمیں چاہئے کہ ہم سب مل کر اللہ کی رسی (اللہ کی کتاب، اور محمد ﷺ کی سنت) کو مضبوطی سے تھام لیں اور اپنے تمام اختلافات کا حل انہیں دونوں میں تلاش کریں۔

فرمان الہی ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ“۔ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

۳۔ تیسرا سبب: صرف دنیاوی فائدہ کے لئے دوستی۔ آج اکثر لوگوں کی دوستیوں کا معیار صرف مال و دولت بن گیا ہے، اگر کوئی شخص تنگدست اور فقیر ہونے کے ساتھ کتنا پرہیزگار کیوں نہ ہو لوگ اس کے قریب نہیں ہونا چاہتے، اور اگر کوئی شر پسند اور

# نوجوانوں کا مقام اسلام کی نظر میں

رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی (مدرس: مرکز الامام البخاری، تلولی)

حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَوَافَقَهُ الذَّهَبِيُّ  
وَصَحَّحَهُ الْإِسْبَاهِيُّ (ايضا)

مذکورہ روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے پانچ چیزوں کو سب سے اہم اور قابل غنیمت قرار دیا، چونکہ جس چیز پر غنیمت کا کلمہ بولا جاتا ہے وہ بڑی ہی اہمیت کی حامل چیز ہوا کرتی ہے مثلاً اگر آپ سے کہا جائے کہ بوتل میں یہ تھوڑا سا پانی ہے اسے غنیمت سمجھنا یا آپ کے پاس ابھی دو گھنٹہ ہے اسے غنیمت سمجھو اور اس میں خوب محنت کر لو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بروقت یہ پانی یا یہ وقت بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے اس کی حفاظت کرنا، اسے ضائع ہونے سے بچانا ورنہ ہمیں دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔ اسی طرح ان پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھنے کا معنی یہ نکلا کہ ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کی حفاظت کرو، اور ان پانچ میں سے ایک جوانی بھی ہے، اور یہ بات بچپن یا بڑھاپے کے سلسلے میں نہیں آئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی نظر میں جوانی کی بڑی اہمیت ہے۔

☆ بروز قیامت جوانی کی بابت خصوصی سوال ہوگا۔ جیسا کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمَلَ فِيمَا عَلِمَ“۔ قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا (۱) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی (۲) جوانی کہاں خرچ کی (۳) مال

محترم قارئین! زندگی کا ایک مرحلہ جوانی ہے، جوانی زندگی کا انقلابی اور عظیم مرحلہ ہے، جوانی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عظیم نعمت ہے، آج جوانی کی اہمیت ان سے پوچھئے جن کا بڑھاپا آگیا ہے، جو بوڑھے ہو چکے ہیں، دین کا جتنا کام نو جوانوں سے ہو سکتا ہے اتنا ایک بزرگ یا بوڑھا نہیں کر سکتا کیوں کہ جوانی میں طاقت و قوت زیادہ ہوتی ہے، جسم مضبوط ہوتا ہے، بھاری سے بھاری کام کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن بچپن یا بڑھاپے کا مرحلہ جوانی کے مقابلے کا کافی کمزور ہوتا ہے، اسی لئے شیطان کا حملہ نو جوانوں ہی پر زیادہ ہوا کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ نو جوانوں کو بگاڑ کر ہمیں جو کامیابی ملے گی وہ کامیابی بچے یا بوڑھے کے بگاڑنے میں نہیں ہے، اور اسی لئے اسلام نے عمر کے دیگر حصوں کے مقابلے کئی اعتبار سے جوانی کو اہم قرار دیا ہے، مندرجہ ذیل سطور میں اسلام میں جوانی کی اہمیت کی بابت چند اہم نکات ملاحظہ فرمائیں:

☆ اسلام نے جوانی کو اہم قرار دیتے ہوئے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اغْتَنِمِ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شَغْلِكَ، وَغَنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ“۔ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو: (۱) موت کے پہلے زندگی کو (۲) مشغولیت کے پہلے فراغت کو (۳) محتاجگی کے پہلے مالداری کو (۴) بڑھاپے کے پہلے جوانی کو (۵) بیماری کے پہلے صحت کو۔ (المستدرک للحاکم: ۳۴۱/۳، رقم الحدیث: ۸۴۶، وقال: ”هَذَا



پانچواں وہ شخص جسے کسی منصب والی، حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ کیا، مگر اتنے پوشیدہ طور پر کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور (بے ساختہ) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (صحیح بخاری: ۶۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

دیکھئے ان سات خوش نصیبوں میں سے دوسرا نو جوان بھی ہے جس نے اپنے رب کی عبادت میں جوانی صرف کردی، چونکہ جوانی ایک ایسا مرحلہ ہوتی ہے کہ اس پر شہوت کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور یہی جوانی ہی نفسانی خواہشات کی پیروی پر ابھارنے والی قوت ہوا کرتی ہے اور نفسانی خواہشات کی پیروی سے بچنا بڑا ہی مشکل امر ہے، چونکہ گیارہ حقیقت اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوانی کی عبادتوں کی بڑی اہمیت ہے۔

☆ بچپن اور بڑھاپے سے جوانی بہتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلِّ خَيْرٍ آخِرُ عِلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِزَّ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ“۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقتور مومن ضعیف مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر اور بھلائی ہے، تم ان کاموں کی حرص کرو جو تمہارے لئے مفید ہیں، اور اللہ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو اور جب تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں ایسا کرتا یا ایسا کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی، لیکن یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا اور اگر مگر کرنا شیطان کے لئے راہ کھولنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳)

☆ پختہ سوچ اور صحیح سوچ بوجھ کا مادہ اسی جوانی ہی میں پیدا ہوتا ہے، جو سمجھ جوانی میں ایک انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ سمجھ نہ تو بچپن میں ہوتی ہے اور نہ ہی انتہائی بڑھاپے میں رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ

کہاں سے کمایا (۴) مال کہاں خرچ کیا (۵) جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (سنن الترمذی: ۲۴۱۶ و حسنہ الالبانی)

ذرا غور کیجئے کہ پانچ سوالات میں سے ایک سوال عمر کی بابت بھی ہوگا اور عمر میں جوانی آجاتی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے جوانی کا تذکرہ الگ سے کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی نظر میں جوانی کا خاص مقام ہے۔

امام طہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”فَإِنْ قُلْتَ هَذَا دَاخِلٌ فِي الْخُصْلَةِ الْأُولَى فَمَا وَجْهُهُ قُلْتُ الْمُرَادُ سُؤَالُهُ عَنْ قُوَّتِهِ وَرَمَانِهِ الَّذِي يَتِمَّ كُنْ مِنْهُ عَلَى أَقْوَى الْعِبَادَةِ، بطور اعتراض اگر آپ یہ کہیں کہ جوانی پہلی خصلت یعنی عمر میں داخل ہے تو اسے دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا؟ تو میرا جواب یہ ہوگا کہ یہاں اس کی طاقت و قوت اور وہ زمانہ مراد ہے جس میں کٹھن سے کٹھن عبادت پر وہ شخص قادر ہوتا ہے۔ (تحفة الأحمدي: ۸۵/۷)

☆ بروز قیامت جن سات خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزری ہوگی۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: ”سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابَتْ نَشَأُ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ“۔ سات طرح کے آدمی ہوں گے جن کو اللہ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا، اول انصاف کرنے والا بادشاہ، دوسرا وہ نو جوان جو اپنے رب کی عبادت میں جوانی بھر مصروف رہا، تیسرا ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، چوتھے دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی اللہ کے لیے محبت ہے،

اپنے مافی الضمیر کو بتا دوں گا تو یہ دشمن ہو جائیں گے کسی کو دوسرے کی نسبت اطلاع تھی کہ وہ بھی اس کی طرح قوم کی اس احقانہ اور مشرکانہ رسم سے بیزار ہے، آخر ایک دانا اور جری نوجوان نے کہا کہ دوستو! کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے کہ لوگوں کے اس عام شغل کو چھوڑ کر تم ان سے یکسو ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو، میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر شخص اس بات کو ظاہر کر دے جس کی وجہ سے اس نے قوم کو چھوڑا ہے، اس پر ایک نے کہا بھائی بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی قوم کی یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی، جب کہ آسمان وزمین کا اور ہمارا تمہارا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر ہم اس کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں کریں؟ یہ سن کر دوسرے نے کہا اللہ کی قسم یہی نفرت مجھے یہاں لائی ہے، تیسرے نے بھی یہی کہا، حتیٰ کہ جب ہر ایک نے یہی وجہ بیان کی تو سب کے دل میں محبت کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ سب روشن خیال موحد آپس میں سچے دوست اور ماں جائے بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے خیر خواہ بن گئے، آپس میں اتحاد و اتفاق ہو گیا، انہوں نے وہی جگہ مقرر کر لی، وہیں اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے، رفتہ رفتہ قوم کو کبھی پتہ چل گیا وہ ان سب کو پکڑ کر اس ظالم مشرک بادشاہ کے پاس لے گئے لیکن وہاں ان نوجوانوں نے بادشاہ اور اہل دربار اور کل دنیا کو توحید کی دعوت دی، دل مضبوط کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا مالک خالق ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں ہم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اس کے سوا کسی اور کو پکاریں، اس لئے کہ شرک نہایت باطل چیز ہے، یہ حرکت ہم کبھی نہیں کریں گے، یہ نہایت ہی بیجا بات، لغو حرکت اور جھوٹی راہ ہے۔ یہ ہماری قوم مشرک ہے اللہ کے سوا دوسروں کی پکار اور ان کی عبادت میں مشغول ہے جس کی کوئی دلیل یہ پیش نہیں کر سکتی، پس یہ ظالم اور کاذب ہیں، کہتے ہیں کہ ان کی اس صاف گوئی اور حق گوئی سے بادشاہ بہت بگڑا انہیں دھمکا یا ڈرایا اور حکم دیا کہ ان کے لباس اتار لو، اگر یہ باز نہ آئیں گے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا، اب ان لوگوں

نے یوسف علیہ السلام کے حوالے سے فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ اتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ جب (یوسف) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا، ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (یوسف: ۲۲)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو قوت فیصلہ اور علم جیسی نعمت بچپن میں نہیں جوانی میں عطا کیا جس سے پتہ چلا کہ سوجھ بوجھ کا صحیح مرحلہ جوانی ہے۔ ☆ جوانی کے صحیح استعمال سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے، پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے، اصحاب کہف کے واقعے پر ذرا دھیان دیجئے۔

اصحاب کہف کون تھے؟ دراصل یہ چند نوجوان تھے جو دین حق کی طرف مائل ہوئے اور ہدایت پر آ گئے، یہ متقی، مومن اور راہ یافتہ نوجوانوں کی جماعت تھی، اپنے رب کی وحدانیت کو مانتے تھے، اس کی توحید کے قائل تھے اور روز بروز ایمان و ہدایت میں بڑھ رہے تھے۔ بعض سلف کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومی بادشاہ کی اولاد اور روم کے سردار تھے، ایک مرتبہ قوم کے ساتھ عید منانے گئے تھے، اس زمانے کے بادشاہ کا نام دقیاؤس تھا، بڑا سخت اور سرکش شخص تھا، سب کو شرک کی تعلیم کرتا اور سب سے بت پرستی کراتا تھا، یہ نوجوان جو اپنے باپ داداؤں کے ساتھ اس میلے میں گئے تھے، انہوں نے جب وہاں یہ تماشا دیکھا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ بت پرستی محض لغو اور باطل چیز ہے، عبادتیں اور بیچہ صرف اللہ کے نام پر ہونے چاہئیں جو آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے، پس یہ لوگ ایک ایک کر کے یہاں سے سرکنے لگے، ایک درخت تلے جا کر ان میں سے ایک صاحب بیٹھ گئے دوسرے بھی بیٹھ آ گئے اور بیٹھ گئے تیسرے بھی آئے چوتھے بھی آئے غرض یہ کہ ایک ایک کر کے سب یہیں جمع ہو گئے حالانکہ ایک دوسرے سے تعارف نہ تھا لیکن ایمان کی روشنی نے ایک دوسرے کو ملا دیا۔

اب سب خاموش تھے ایک کو دوسرے سے ڈر تھا کہ اگر میں



نے اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج تم اس کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر بنائے جانے پر بھی تم نے اعتراض کیا تھا اور اللہ کی قسم! وہ (زید رضی اللہ عنہ) امارت کے مستحق تھے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اور یہ (اسامہ رضی اللہ عنہ) اب ان کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۷۳۰، صحیح مسلم: ۲۲۲۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ”هُوَ الْبُعْثُ الَّذِي أَمَرَ بِتَجْهِيزِهِ فِي مَرَضٍ وَقَاتِهِ وَقَالَ أَنْفُذُوا بَعْثَ أَسَامَةَ فَأَنْفَذَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“۔ یہ وہی فوج تھی جسے آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں تیار کرنے کا حکم دیا تھا اور صحابہ کو اسے روانہ کی ہدایت دی (لیکن آپ ﷺ کی وفات ہو گئی تو) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے بھیجا۔ (فتح الباری: ۸۷/۷)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”وَقَدْ انْتَدَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْكِبَارِ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَالْأَنْصَارِ فِي جَيْشِهِ، فَكَانَ مِنْ أَكْبَرِهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ“۔ اس لشکر میں بیشتر کبار مہاجرین و انصار موجود تھے اور ان میں سب سے بڑے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ (السيرة النبوية لابن کثیر: ۴۴۱/۴)

گویا جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے اسامہ بن زید کو اس فوج کی کمان سونپی جو کہ جوان تھے اور قیادت کے حق دار تھے جیسا کہ روایت سے واضح ہے۔

یہ ہے اسلام کی نظر میں نو جوانوں کا مقام لیکن ایسا نہیں ہے کہ بزرگوں کی عبادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ بزرگ بھی عبادت کریں انہیں اس پر اجر ملے گا اور نو جوان کوئی دینی یا دنیوی کام کرنے سے پہلے ان بزرگوں سے مشورہ کریں، ان سے رہنمائی لیں کیوں کہ یہ زندگی کے کئی نشیب و فراز سے گزر چکے ہوتے ہیں اور کئی طرح کے مسائل سے ان کا سامنا ہو چکا ہوتا ہے اس لئے ان سے مل کر ہی کام کریں، بزرگوں کا بھی اپنا مقام ہے۔

کے دل اور مضبوط ہو گئے لیکن یہ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہاں رہ کر ہم دینداری پر قائم نہیں رہ سکتے، اس لئے انہوں نے قوم، وطن، دیس اور رشتے کنبے کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا، جب یہ لوگ دین کے بچاؤ کے لئے اتنی اہم قربانی پر آمادہ ہو گئے تو ان پر رب کی رحمت نازل ہوئی، فرما دیا گیا کہ ٹھیک ہے جب تم ان کے دین سے الگ ہو گئے تو بہتر ہے کہ جسموں سے بھی ان سے جدا ہو جاؤ، جاؤ تم کسی غار میں پناہ حاصل کرو تم پر تمہارے رب کی رحمت کی چھاؤں ہوگی، وہ تمہیں تمہارے دشمن کی نگاہوں سے چھپالے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور راحت مہیا فرمائے گا، پس یہ لوگ موقع پا کر یہاں سے بھاگ نکلے اور ایک غار میں چھپ رہے، بادشاہ اور قوم نے ہر چندان کی تلاش کی لیکن کوئی پتہ نہ چلا، اللہ نے ان کے غار کو اندھیرے میں چھپا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: سورة الكهف کی تفسیر میں دیکھئے)

نبی ﷺ نے بھی جوانی کی بڑی قدر کی ہے، زندگی میں دعوت و تبلیغ کا معاملہ سامنے آیا یا جہاد کا، آپ نے انہیں نو جوانوں کو آگے بڑھایا، اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں روم کی جانب ایک جماعت بھیجی تو اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بنایا جو غالباً سترہ یا اٹھارہ یا بیس سال کے تھے جبکہ اس میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے مثلاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اس کے باوجود آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں قیادت دیا جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ”بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَأَمَرَ عَلَيْهِمْ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمَارَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”أَنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَآيِمُ اللَّهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيفًا لِلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنْ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ“۔ نبی کریم ﷺ نے ایک فوج بھیجی اور اس کا امیر اسامہ بن زید کو بنایا۔ ان کے امیر بنائے جانے پر بعض لوگوں

(پہلی قسط)

# قبر کو بوسہ دینے سے متعلق دو روایتوں کا تحقیقی جائزہ

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی، اسلامک انفارمیشن سینٹر، اندھیری، ممبئی

اللہ (ﷺ) في السحر ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه فلما أن قال: ”الله أكبر الله أكبر“، ارتجت المدينة فلما أن قال: ”أشهد أن لا إله إلا الله“، زاد تعاجيجها فلما أن قال: ”أشهد أن محمدا رسول الله“، خرج العواتق من خدورهن فقالوا: أبعث رسول الله (ﷺ)؟ فمارئي يوم أكثر باكيا ولا باكية بعد رسول الله (ﷺ) من ذالك اليوم“.

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ -- بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ان سے کہا: اے بلال! یہ کیا بے رخی ہے؟ کیا آپ کے لئے وقت نہیں آیا کہ آپ میری زیارت کریں، اے بلال! پھر آپ غمگین، گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ کا قصد کیا۔ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس آکر رونے لگے اور اس پر اپنا چہرا ملنے لگے۔ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ادھر آئے تو آپ نے ان کو سینے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ پھر ان دونوں نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بلال! ہم اس اذان کو سننے کے خواہش مند ہیں جو آپ رسول اللہ ﷺ کے لئے سحر میں دیا کرتے تھے۔ تو انہوں نے ہاں کر دی اور مسجد کے چھت پر چڑھے اور اپنی اس جگہ کھڑے ہوئے جس جگہ آپ (نبی کریم ﷺ کے زمانے میں) کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپ نے کہا: ”الله اکبر الله اکبر“ تو مدینہ (رونے کی آواز کی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسولہ الامين، اما بعد:

محترم قارئین! بعض حضرات نے قبر کو بوسہ دینے سے متعلق دو (۲) روایتیں پیش کیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ راقم ان دونوں روایتوں کا تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہے۔

بغور ملاحظہ فرمائیں:

(پہلی روایت)

✽ امام ابو القاسم علی بن الحسن، المعروف بابن عساكر رحمه الله (المتوفى: ۵۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أبناؤنا أبو محمد بن الأكفاني، ناعبد العزيز بن أحمد، انا تمام بن محمد، نا محمد بن سليمان، نا محمد بن الفيض، نا أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء، حدثني أبي محمد بن سليمان، عن أبيه سليمان بن بلال، عن أم الدرداء، عن أبي الدرداء، قال: ”... إن بلالا رأى في منامه النبي (ﷺ) وهو يقول له: ماهذه الجفوة يا بلال؟ أما ان لك أن تزورني يا بلال؟ فانتبه حزينا وجلا خائفا فركب راحلته وقصد المدينة فأتى قبر النبي (ﷺ) فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه وأقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما فقللا له: يا بلال نشتهي نسمع اذانك الذي كنت تؤذنه لرسول



(محمد، ص: ۲۳۷)

(۲) سلیمان بن بلال : یہ مجہول العین راوی ہے۔

✽ امام محمد بن احمد بن عبد البہادی الحسنبی رحمہ اللہ (المتوفی:

۴۴۷ھ): ”فإنه رجل غير معروف، بل هو مجهول الحال قليل الرواية، لم يشتهر بحمل العلم ونقله، ولم يوثقه أحد من الأئمة فيما علمناه“۔ ”یہ غیر معروف شخص ہے بلکہ قلیل الروایہ مجہول الحال ہے۔ یہ علم اخذ کرنے اور نقل کرنے میں مشہور نہیں ہے اور میرے علم کی حد تک ائمہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی ہے“۔ (الضَّارِمُ المُنْكَي بتحقيق عقيل بن محمد، ص: ۲۳۷)

اس قول کو نقل کرنے کے بعد علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فهو مجهول العين، وما في الأصل مجهول الحال لعله خطأ مطبعي، أو سبق قلم من المؤلف رحمه الله تعالى وتبعاً للبخاري وابن أبي حاتم، لم يذكره الذهبي في الميزان ولا الحافظ في اللسان“۔ ”یہ مجہول العین ہے اور جو اصل میں ہے: مجہول الحال، شاید طباعت کی غلطی ہے یا مؤلف رحمہ اللہ کی جانب سے سبقت قلم ہے اور امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم رحمہما اللہ کی متابعت کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے میزان الاعتدال میں ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے لسان المیزان میں ذکر کیا ہے“۔ (موسوعة الاباني في العقيدة: ۵۳۰/۲)

(۳) انقطاع: سلیمان بن بلال کا ام و رداء رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے۔

✽ امام محمد بن احمد بن عبد البہادی الحسنبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۷ھ): ”ولا يعرف له سماع من أم الدرداء“۔ ”سلیمان بن بلال کا ام و رداء رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں جانا جاتا ہے“۔ (الضَّارِمُ المُنْكَي بتحقيق عقيل بن محمد، ص: ۲۳۷)

✽ زیر بحث روایت سے متعلق علماء کرام کے اقوال:

وجہ سے) گونج اٹھا۔ جب آپ نے کہا: ”أشهد أن لا إله إلا الله“ تو آوازیں اور زیادہ ہو گئیں۔ جب آپ نے کہا: ”أشهد أن محمداً رسول الله“ تو دو شیرائیں اپنے پردوں سے نکل آئیں۔ لوگوں نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے بعد مدینہ میں کوئی دن اس سے زیادہ رونے والوں اور رونے والیوں کا نہیں دیکھا گیا۔

(تخریج) تاریخ دمشق لاین عساکر بتحقيق عمرو بن غرامة العمري: ۱۳۷/۷، ت: ۴۹۳۔

(حکم حدیث) ”هذا حديث موضوع واسناده واه منقطع“۔ ”یہ موضوع حدیث ہے اور اس کی سند سخت ضعیف اور منقطع ہے“۔

(سبب) روایت ہذا کی سند میں تین (۳) علتیں ہیں:

(۱) ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال الشامی : یہ مجہول راوی ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ): ”مجهول، لم يرو عنه غير محمد بن الفيز الغساني“۔ ”مجهول ہے۔ اس سے محمد بن الفيز کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے“۔ (تاريخ الإسلام بتحقيق بشار عواد: ۵/۳۷، ت: ۳۷)

✽ امام محمد بن احمد بن عبد البہادی الحسنبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۷ھ): ”وإبراهيم بن محمد هذا شيخ لم يعرف بثقة وأمانة ولا ضبط وعدالة، بل هو مجهول غير معروف بالنقل ولا مشهور بالرواية، ولم يرو عنه غير محمد بن الفيز“۔ ”ابراہیم بن محمد یہ ایسا شیخ ہے جو ثقہ، امانت، ضبط اور عدالت کسی میں معروف نہیں ہے بلکہ یہ مجہول ہے۔ نقل کرنے میں غیر معروف اور روایت میں مشہور نہیں ہے۔ اس سے صرف محمد بن الفيز نے روایت کیا ہے“۔ (الضَّارِمُ المُنْكَي بتحقيق عقيل بن

## تلاوت قرآن کے بعد "صدق اللہ العظیم" کہنا کیسا ہے؟

لوگوں میں رائج ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت سے فارغ ہونے پر "صدق اللہ العظیم" کہتے ہیں۔ ہمیں شریعت میں اسکی کوئی دلیل نہیں ملتی، اس لئے اسے عادت نہیں بنانا چاہئے بلکہ شرعی قواعد کے رو سے اگر کوئی اس کے سنت ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کا شمار بدعتوں میں ہوگا۔ چنانچہ مناسب ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور اسکی عادت نہ ڈالی جائے۔

رہی آیت: (قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا أَمْرًا بِنِزَائِهِمْ خَبِيرًا) (آل عمران: 95) تو اس مسئلہ سے اسکا کوئی واسطہ نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتابوں جیسے تورات، انجیل اور قرآن وغیرہ میں جو باتیں بھی بیان کی ہیں وہ سب مبنی برحق ہیں۔ لیکن اس میں اس امر کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ قرآن یا اسکی چند آیات یا کوئی سورت پڑھنے کے بعد یہ کہا جائے اور یہ چیز اللہ کے رسول ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے۔ اور جب ابن مسعود - رضی اللہ عنہ - نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے سورت نساء کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: (فَكَتَبْنَا إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا) (النساء: 41) پر پہنچے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا "حبک" بس کرو، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (صحیح البخاری: 196/6 رقم الحدیث: 5050)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد "صدق اللہ العظیم" کا اضافہ اسکی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، اس لئے سنت نبی ﷺ اور طریقہ صحابہ کرام پر چلتے ہوئے ہمیں ایسا کرنا چھوڑ دینا چاہئے، ہاں اگر کوئی شخص اسے سنت سمجھے بغیر یوں ہی بے ساختہ کہ دے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنی تمام باتوں میں سچا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن باز: 329/7)

(۱) امام محمد بن احمد بن عبد البہادی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۲ھ): "وہو أثر غریب منکر وإسناده مجهول وفيه انقطاع، وقد انفرد به محمد بن الفیض الغسانی"۔ "یہ منکر غریب اثر ہے اور اس کی سند مجہول ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے اور محمد بن الفیض اس کو روایت کرنے میں منفرد ہے۔" (الضارم المُنکي بتحقيق عقيل بن محمد، ص: ۲۳۷)

(۲) امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ): "إِسْنَادُهُ لَيِّنٌ، وَهُوَ مُنْكَرٌ"۔ "اس کی سند کمزور ہے اور یہ منکر ہے۔" (سير أعلام النبلاء بتحقيق مجموعة من المحققين: ۳۵۸/۱ ج: ۷۶)

(۳) امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ): "وہی قصۃ بینۃ الوضع"۔ "یہ واضح طور پر گھڑا ہوا قصہ ہے۔" (لسان المیزان للحافظ بتحقيق ابي غدة: ۳۵۹/۱ ج: ۲۹۳)

(۴) علامہ البانی رحمہ اللہ: "فهذه الرواية باطلة موضوعة... وهذا إسناده مظلم، فيه مجهولان"۔ "یہ روایت موضوع باطل ہے۔۔۔ اور یہ سند تاریک ہے۔ اس میں دو مجہول راوی ہیں۔" (موسوعة الالباني في العقيدة: ۵۲۷/۲ - ۵۳۰)

(خلاصۃ التحقیق) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موضوع ہے۔

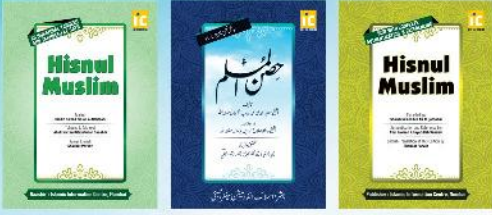
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔





# اسلامک انفارمیشن سینٹر کا سالانہ تحریری انعامی مسابقتی بعنوان

## دعا کوئز



یہ مسابقتی دعا کی مختصر اور مقبول کتاب ”حصن المسلم“ تالیف الشیخ سعید بن علی بن وہب القحطانی حفظہ اللہ مترجم شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تحقیق و تخریج شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ پر مشتمل ہوگا۔

ان شاء اللہ تحریری امتحان ۷ اکتوبر ۲۰۱۸ء، مطابق ۲۷ محرم ۱۴۴۰ھ بعد نماز ظہر ۱۵:۲۰ بجے سے ۳ بجے تک ہوگا۔

### پانچواں انعام:

سوا افراد کو خصوصی انعام:  
پچاس (۵۰) گروپ الف۔  
پچاس (۵۰) گروپ ب۔  
(ٹوٹل: ۱۰۰)

### چوتھا انعام:



گروپ (الف + ب)  
+ ٹرافی

### تیسرا انعام:



گروپ (الف + ب)  
+ ٹرافی

### دوسرا انعام:



گروپ (الف + ب)  
+ ٹرافی

### پہلا انعام:



گروپ (الف + ب)  
+ ٹرافی

### اصول و ضوابط:

- ۱۔ مسابقتی گروپ بہ مشتمل ہوگا: گروپ (الف)، گروپ (ب)
- ۲۔ گروپ (الف) میں صرف پندرہ (۱۵) سال تک کے بچے بچیاں حصہ لے سکتے ہیں۔
- ۳۔ گروپ (ب) میں پندرہ سال سے اوپر کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔
- ۴۔ اس مسابقت میں عالمی فاضل اور عالمی فاضل شریک نہیں ہو سکتے ہیں۔
- ۵۔ نہیں کی کوئی قید نہیں ہے۔ مرد و خواتین، بچے بچیاں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔
- ۶۔ دعا کی کتاب اردو، انگریزی اور اردو میں دستیاب ہوگی۔
- ۷۔ پورے مسابقتی میں سولہ (۱۶) امتحان سینٹر قائم کئے جائیں گے۔
- ۸۔ ہر علاقے کے کون کون سے قرآنی امتحان سینٹر سے کتاب و دعا نام حاصل کر سکیں
- ۹۔ براہِ نمبر لانے والے شرکار کے درمیان پوزیشن کے لئے قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- ۱۰۔ تقسیم انعامات کے وقت پوزیشن لانے والے شرکار کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

### امتحان سینٹر

۱۔ اسلامک انفارمیشن سینٹر (IIC) (کراچی) 022-26500400 / 9595539469	۷۔ اسلامک انفارمیشن سینٹر (IIC) (ممبئی) 022-64269999 / 8080801882	۱۲۔ مسجد اہل حدیث مومن پارک، 9821890510 / 9702197148
۲۔ مسجد محمد رسولہ، دارالعلوم ڈاکٹر انصاری، 8655015620 / 7303034658	۸۔ مسجد اہل حدیث، نئی روڈ، مایا مارک، 9930616483 / 7900036881	۱۳۔ مدرسہ تعلیم القرآن، انوک ٹرگٹ، کورہ، 7208653826
۳۔ مسجد محمدیہ، ہنگام روڈ، گودھری، 7408765957	۹۔ مسجد انجمنیہ، پیتا، کراچی، 9769063844 / 9919080371	۱۴۔ مسجد محمدیہ، میرٹھ، 8767331495
۴۔ مسجد محمد رسولہ، شامیہ، اتھارڈ، کراچی، 9224764668 / 7275961957	۱۰۔ مسجد دارالحدیث، میرٹھ، گودھری، 9011387785	۱۵۔ مسجد محمد رسولہ، کراچی، کراچی، 9930712430 / 8369037921
۵۔ جامع مسجد اہل حدیث، مول، 9960813530 / 9833234310	۱۱۔ القرآن اسلامک سینٹر، اسلام آباد، 9619365394	۱۶۔ مسجد محمد رسولہ، اسلام آباد، کراچی، 9022505656
۶۔ مسجد محمد رسولہ، دارالحدیث، (ماٹھی ویلی) اسلام آباد، 9699788642 / 9167051183		

☆ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز سوموار ہے۔

☆ امتحان کی تاریخ ۷ اکتوبر ۲۰۱۸ء، بعد نماز ظہر ۱۵:۲۰ بجے سے ۳ بجے تک ہے۔

☆ نتائج کا اعلان اور تقسیم انعامات پروگرام ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار مطابق: ۱۱ صفر ۱۴۴۰ھ بعد نماز عصر تا عشاء جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ میں ہوگا۔

مزید معلومات کے لئے رابطہ کریں: 9595539469 / 8291063785



[illegible]